مشینی گھوڑا

بچوں کے لیے الف لیلہ کی کہانیوں کا سلسلہ

اطہر پرویز

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1977
پانچویں طباعت	:	2011
تعداد	:	2100
قیمت	:	12/- روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	279

Masheeni Ghoda

By

Athar Parwez

ISBN : 978-81-7587-690-3

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز-II، نئی دہلی-110020
اس کتاب کی چھپائی میں (70GSM, TNPL Maplitho(Top کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کرسکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست

1	مشینی گھوڑا	5
2	ایک موچی کے بادشاہ ہونے کا قصّہ	29
3	سندباد جہازی	75
4	گاتا ہوا پیڑ اور سنہرا پانی	107

مشینی گھوڑا

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایران میں ایک بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ بڑا نیک دِل اور بڑا شریف تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، مسافروں کو سہارا دیتا اور ہر ایک کے کام آتا تھا۔ اُس کے دروازے سے کوئی آدمی خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا، اس کو ضرور کچھ نہ کچھ ملتا۔ اس بادشاہ کے ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی۔ دونوں بادشاہ کی طرح بڑی اچھی عادت کے تھے۔ بادشاہ کی بیٹی بڑی خوبصورت تھی۔ اس کی خوبصورتی کا دُور دُور تک چرچا تھا۔ بیٹا بڑا بہادر اور ہمت والا تھا۔ اس کا نام تھا شہزادہ فیروز شاہ۔

ایران میں سال کا پہلا دن ہمیشہ سے بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ اسے نوروز کہتے ہیں۔ نوروز کے موقع پر دربار لگتا ہے اور بادشاہ کو نذرانے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر بادشاہ قیدیوں کو چھوڑتا ہے، رعایا کو انعام و اکرام دیتا ہے اور سارا ملک خوشی مناتا ہے۔ ایک بار نوروز کے موقع پر ایک پردیسی کاریگر آیا۔ اُس نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عجیب و غریب تحفہ پیش کیا، جو ہر طرح سے بادشاہوں کے لائق

مشینی گھوڑا

تھا۔ یہ تھا تو ایک لکڑی کا گھوڑا۔ لیکن کاریگر نے یہ لکڑی کا گھوڑا کچھ اس طرح بنایا تھا کہ دیکھنے میں سچ مچ کا گھوڑا معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ "اے کاریگر! اس گھوڑے میں ایسی کون سی بات ہے جو تو اسے لے کر میرے پاس آیا ہے۔ یہ تو سیدھا سادا لکڑی کا گھوڑا ہے۔ میرے اصطبل میں تو ایک سے ایک شاندار عربی گھوڑا ہے۔ یہ گھوڑا کس کام کا۔"

کاریگر نے کہا۔ "عالیجاہ! آپ کا بول بالا ہو ـــــ یہ گھوڑا لکڑی کا تو ہے لیکن یہ معمولی گھوڑا نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک مشین لگی ہوئی ہے، جس میں چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے کل پرزے لگے ہیں۔ اس میں ایسے بٹن لگے ہیں کہ ان کو چھونے سے گھوڑا ہوا میں اڑنے لگتا ہے، اور پل بھر میں سوار کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔"

بادشاہ نے پوچھا۔ "یہ کیسے معلوم ہو کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ ہے۔"

کاریگر بولا۔ "عالی جاہ! آپ خود آزما لیجیے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "پہاڑی کے پاس جو کھجور کا پیڑ ہے، اس کی ایک شاخ کو توڑ کر لاؤ۔"

کاریگر اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور اس نے بٹن گھمایا۔ گھوڑا ہوا میں اڑنے لگا۔ اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن ایک منٹ کے اندر اندر گھوڑا پھر واپس آ گیا اور کاریگر نے اتر کر کھجور کی ٹہنی بادشاہ کے ہاتھ میں لا کر دے دی۔

بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے کہا۔" واہ بھائی، تمھارا گھوڑا تو بہت اچھا ہے اور واقعی بادشاہوں کے لائق ہے۔ بتاؤ اس کے کیا دام ہیں؟"

کاریگر نے کہا" عالی جاہ! یہ گھوڑا انمول ہے۔ لیکن ایک انمول رتن کے بدلے آپ کو دے سکتا ہوں" اُمید ہے کہ آپ میری گستاخی معاف فرمائیں گے۔ میں نے یہ محنت صرف اسی رتن کو حاصل کرنے کے لیے کی ہے۔"

"وہ انمول رتن کون سا ہے، جو تم گھوڑے کے بدلے چاہتے ہو؟"

کاریگر نے کہا" وہ انمول رتن ہے آپ کی شہزادی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں۔ اور سچ پوچھیے تو یہی اس گھوڑے کی قیمت ہے۔ اسی کو حاصل کرنے کے لیے میں نے یہ ساری تکلیف اُٹھائی ہے۔"

یہ کاریگر بدصورت تھا اور اس کی عمر بھی زیادہ تھی۔ دربار کے سب لوگ گھبرا گئے ان کو بہت غصہ آیا۔ اس لیے کہ شہزادی چاند کی طرح خوبصورت تھی۔ اس کا اور کاریگر کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ بادشاہ نے بھی یہ سُن کر سر جھکا لیا۔

لیکن شہزادہ فیروز شاہ بہت ناراض ہوا، اور بولا" ہم اس بات کو ہرگز نہیں مانیں گے بلکہ ہم اس پردیسی کو سزا دیں گے کہ اُس نے اتنی بُری بات کیسے زبان سے نکالی اور اس کو یہ کہنے کی ہمت کیسے ہوئی۔ ایک معمولی کاریگر شاہی خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کا خیال کرے۔ ہم اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔"

بادشاہ نے کہا: "شہزادے! ناراض مت ہو۔ اگر یہ گھوڑا ہمیں پسند آگیا اور یہ واقعی ایسا ہی ہے تو ہم اس کے وزن کے برابر سونا تول کر اس کو دے کر یہ مشینی گھوڑا خرید لیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ کاریگر ہماری بات مان جائے گا۔ تم ذرا خود اس پر سواری کرکے دیکھو۔"

شہزادہ بڑی تیزی سے بڑھا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا اُس نے کاریگر سے کچھ پوچھا بھی نہیں، بغیر کچھ سوچے سمجھے بٹن گھما دیا۔ بٹن کو چھونا تھا کہ گھوڑا چل پڑا اور آسمان کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ ذرا سی دیر میں شہزادہ اور گھوڑا آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔

یہ دیکھ کر بادشاہ کا چہرہ غصّے سے لال ہوگیا۔ اور کاریگر مارے ڈر کے کانپنے لگا اور بولا: "مہاراج! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ شہزادے نے گھوڑے پر بیٹھتے ہی بٹن گھما دیا مجھے موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے بتاتا کہ نیچے آنے کے لیے کون سا بٹن گھمایا جائے گا۔ میں تو آپ کی طرح یوں ہی دیکھتا رہ گیا۔"

بادشاہ نے پوچھا: "بتا اب کیا ہوگا؟"

کاریگر نے کہا: "حضور! نیچے اُترنے کا بٹن بھی اُس کے پاس ہی ہے۔ اگر وہ تلاش کریں گے تو ضرور مل جائے گا۔"

بادشاہ نے کہا: "جب تک شہزادہ واپس نہیں آتا، میں تجھے چھوڑ نہیں سکتا۔ ایک سال تک تجھے جیل میں رکھوں گا۔ اگر اس درمیان میں شہزادہ آگیا تو تجھے چھوڑ دوں گا۔ ورنہ تجھے جان سے مار

دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ " اس کاریگر کو جیل میں ڈال دو۔"

اُدھر شہزادے کو تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا کہ اب واپس چلنا چاہیئے، لیکن جائے تو کیسے۔ اسے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ واپس جانے کا بٹن کون سا تھا۔ گھوڑا تھا کہ تیزی سے زمین سے دُور بہت دُور نکل گیا تھا۔ اب تو شہزادہ مارے ڈر کے بہت پریشان ہُوا۔ وہ اس بٹن کو کبھی ادھر گھماتا اور کبھی اُدھر۔ لیکن گھوڑا تھا کہ اونچا اور اونچا ہوتا جارہا تھا۔ یہی نہیں وہ سیدھا سورج کے پاس چلا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ ذرا اور قریب پہنچوں گا تو جل جاؤں گا۔ ہائے میرے خدا اب میں کیا کروں۔ اس نے گھبرا کر گھوڑے پر ہاتھ چلانا شروع کردیا۔ اچانک اس کا ہاتھ گھوڑے کے کان کے نیچے ایک بٹن پر پڑا۔ شہزادے نے جو اس بٹن کو گھمایا تو گھوڑا پہلے تو آہستہ ہُوا پھر ایک بار رُکا اور نیچے کی طرف اُڑنے لگا۔ اب وہ اوپر نیچے اور نیچے آتا جارہا تھا۔ دیکھنے کے لیے وہ اس گھوڑے کو صحیح طور پر چلا سکتا ہے، اس نے پہلے والا بٹن دبایا۔ اب یہ گھوڑا آہستہ ہونا شروع ہُوا یہاں تک کہ ایک بار رُک کر پھر اوپر چلنے لگا۔ اب تو شہزادے کی سمجھ میں آگیا کہ کس طرح اس کو چلایا جائے۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد شہزادے نے پھر کان کے نیچے والا بٹن گھمایا۔ اس گھمانے کا وہی اثر ہوا یعنی گھوڑا پہلے کی طرح نیچے اُترنے لگا۔ ایک جگہ اس نے اوپر سے جو دیکھا تو اسے نیچے بہت سی ندیاں اور کھیت دکھائی دیے۔ اس نے

سوچا کہ یہیں اُترنا چاہیئے۔ رات کا وقت تھا۔ سورج نہ جانے کب ڈوب چکا تھا۔ جب وہ زمین کے پاس آیا تو ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ نہ جانے کون سی جگہ ہے۔ اسے کچھ بھی تو نظر نہیں آرہا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھوڑا سمندر میں جاکر دھڑام سے گرے۔ اس نے بٹن بائیں طرف گھمایا۔ گھوڑا بڑے مزے میں آہستہ سے اُترنے لگا اور ذرا سی دیر میں نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ اب تو شہزادے کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا گھوڑا ایک بہت بڑے محل کی چھت پر کھڑا ہے۔ وہ گھوڑے پر سے اُترا۔ اب اس کو خیال آیا کہ اس نے دن بھر کچھ نہیں کھایا۔ وہ مارے بھوک کے بے دم ہو رہا تھا اور تھکا ہوا بھی تھا۔

"ارے یہ تو سنسان محل ہے۔ یہاں تو کوئی آدم نہ آدم زاد۔"

اس نے سوچا کہ نیچے اُتر کر دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس کا محل ہے۔ اس نے گھوڑے کو چھت پر چھوڑا اور آگے بڑھا۔ اس کو سامنے ایک سیڑھی نظر آئی۔ شہزادہ سیڑھی سے اُترتا ہوا نیچے پہنچا۔ اس کو نیچے بہت سے کمرے دکھائی دیے۔ ایک کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ شہزادے نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا تاکہ اس کے قدموں سے آواز نہ نکلے۔

اس نے کمرے سے جھانک کر دیکھا۔ اُس میں کچھ حبشی لڑکیاں سو رہی تھیں۔ اوہو یہ کسی شہزادی کا محل ہے اور یہ کمرہ اس کے پہرے داروں کا ہے۔ شہزادہ اور آگے بڑھا۔ اس کو سامنے ایک

ریشمی پردہ نظر آیا۔ شہزادے نے پردہ ہٹایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا عالیشان کمرہ ہے۔ اس میں کچھ لڑکیاں فرش پر سو رہی ہیں اور بیچوں بیچ ایک مسہری لگی ہے۔ اس میں ایک خوبصورت شہزادی بال کھولے ہوئے سو رہی ہے۔ کمرے میں بڑے نرم نرم خوبصورت قالین بچھے ہوئے ہیں۔ ہر طرف آئینے لگے ہوئے ہیں۔ سارا کمرہ اس ہلکی روشنی کے باوجود سونے اور چاندی کے سامان سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔

شہزادے نے آہستہ سے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کا دماغ مہک اُٹھا۔ کمرہ بھینی بھینی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔ شہزادی ایک ریشمی تکیئے پر اپنا سر رکھے سو رہی تھی۔ بستر پر ہر طرف پھول بکھرے ہوئے تھے۔ شہزادی کے بڑے بڑے بال کُھلے ہوئے تھے۔ وہ بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔

شہزادہ اس منظر کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے اتنی خوبصورت لڑکی اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ وہ دھڑام سے اس لڑکی کے قدموں پر گر پڑا۔ لڑکی کی آنکھ کُھل گئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ اس کے سامنے ایک بہت ہی خوبصورت شہزادہ کھڑا ہے۔

شہزادے نے کہا "اے حسین شہزادی! اس وقت تمہارے سامنے ملک ایران کا شہزادہ فیروز شاہ کھڑا ہے۔ قسمت نے اسے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ میں تمہاری مدد مانگتا ہوں۔"

اس نے کہا "اے شہزادے! بنگال کی شہزادی تم کو اپنی پناہ میں لیتی ہے۔ میں بنگال کے راجا کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ راجا

نے یہ محل میرے لیے بنوایا ہے۔ میں اس محل میں تمہارا استقبال کرتی ہوں۔ تم جتنے دن چاہو بڑی عزت کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ تمہارے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت بھوکے ہو۔"

شہزادے نے کہا "شہزادی! میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ میں زندہ سلامت اس زمین پر واپس آگیا۔ ورنہ میرا تو نام و نشان بھی نہ ملتا۔ لیکن میں نے جس وقت تمہارے محل کی چھت پر قدم رکھا۔ میرا بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اس وقت تم کو دیکھ کر مجھے جیسے سب کچھ مل گیا۔ میری ساری تھکن دُور ہوگئی۔ میں تمہارا احسان مانتا ہوں کہ تم نے مجھے اس وقت سہارا دیا۔

شہزادی نے کہا "آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خاطر مدارات کرنا ہمارا فرض ہے" شہزادی نے اپنی کنیزوں کو بلایا اور اُن سے کہا کہ "جاؤ، میرے باورچی خانے سے بہترین کھانے لاکر سجا دو۔ اور ایران کے شہزادے کو کھانا کھلاؤ اور اس کے بعد ان کے سونے کا انتظام کردو۔"

شہزادی کا کہنا تھا کہ ذرا سی دیر میں کنیزوں نے کھانے کا سارا انتظام کردیا۔ شہزادے کا عرق گلاب سے منہ ہاتھ دھویا اور خوشبودار تولیے سے منہ پونچھ کر کھانا کھانے کے لیے ایک خاص کمرے میں لے گئیں جو ذرا سی دیر میں روشنی سے جگمگانے لگا یہاں سونے چاندی کے بہترین برتنوں میں کھانا رکھا ہوا تھا اس کھانے کو دیکھ کر شہزادے کی بھوک بھڑک گئی اور اس نے خوب مزا لے لے کر کھانا کھایا۔ پھر ہاتھ دھونے کے بعد اس

کو ایک اور عالیشان کمرے میں لے جایا گیا۔ یہاں ایک مسہری پر بڑا شاندار بستر بچھا ہوا تھا۔ شہزادہ وہاں جاکر سو گیا۔

صبح کو جب شہزادہ اٹھا تو اس نے دیکھا کہ شہزادی کی کنیزیں بہترین قسم کے شاہی لباس لیے ہوئے کھڑی ہیں۔ اس کے نہلنے کا انتظام کیا گیا۔ نہانے کے بعد جب شہزادہ نئے لباس کو پہن کر شہزادی کے سامنے گیا تو وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ اتنا خوبصورت گورا چٹا نوجوان شہزادہ ــــــ شہزادی نے بھی اس دن بڑا بناؤ سنگھار کیا تھا اور بڑا خوبصورت جوڑا پہنا تھا۔ شہزادی نے اسے اپنے پاس بٹھایا، اور اس کا حال پوچھا۔ شہزادے نے شروع سے آخر تک سارا حال سُنایا۔ کاریگر کا گھوڑا لانا ــــــ اس کا سوار ہوکر اوپر جانا اور پھر واپس محل کی چھت پر اُترنا۔ پھر شہزادے نے کہا "میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میرا اتنا خیال رکھا۔ میں اپنی پریشانیوں کو بھول گیا ــــــ اپنے محل کو بھول گیا ــــــ میرا جی تو نہیں چاہتا کہ یہاں سے باہر قدم بھی رکھوں، لیکن میرے ماں باپ میرے نہ ہونے سے پریشان ہوں گے۔ اس لیے تم سے اجازت چاہتا ہوں۔ اب مجھے اجازت دو کہ میں اپنے ملک واپس جاؤں، اور اپنے ماں باپ کو اپنی صورت دکھاؤں۔ ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ آنا مرضی سے اور جانا میزبان کی اجازت سے۔ اس لیے تم سے اجازت لینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ تم نے جو میری خاطر مدارات کی، اُسے میں کبھی نہیں بھول سکتا، اور ساری زندگی تمھاری محبت کو یاد رکھوں گا۔"

یہ سُن کر شہزادی پریشان ہوگئی۔ اس نے کہا کہ "ابھی تو تم آئے ہو اور اب جانے کی بات کرتے ہو۔ تم کو اگر یہاں کوئی تکلیف ہو تو مجھ سے کہو۔ ہمارا تو جی چاہتا ہے کہ کچھ دن تک ہمارے مہمان رہو، اور ہمارے ملک کی سیر کرو۔ اس لیے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا آسان نہیں۔

شہزادے نے کہا: "مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے اور مجھے یہاں اپنے گھر کی طرح آرام ملا ہے۔"

شہزادی نے کچھ اس طرح شہزادے کی طرف دیکھا کہ شہزادے نے اس کی بات مان لی اور وہ وہاں رہنے لگا۔ شہزادی نے بہت مزیدار کھانے کھلائے۔ اسے اپنے ملک کی سیر کرائی۔ شہزادہ سیر و شکار کا بہت شوقین تھا۔ شہزادی نے اسے شکار کے لیے بھیجا۔ اس کے علاوہ ناچ گانے کی محفلوں میں شریک ہوا۔

اس طرح شہزادے کو پتہ بھی نہ چلا کہ وقت کتنی تیزی سے گذر گیا۔ شہزادے کو یہاں رہتے رہتے دو مہینے ہو گئے اس کو یہی محسوس ہوا جیسے وہ کل ہی تو یہاں آیا۔ اس کا جی ایسا لگا کہ وہ ہر وقت شہزادی کے ساتھ رہتا اور شہزادی سے بہت محبت کرنے لگا۔

آخر ایک دن شہزادے نے کہا: "اچھی شہزادی! مجھے یہاں رہتے ہوئے دو مہینے گذر گئے۔ اب مجھے اپنے وطن جانے کی اجازت دو۔ میرے ماں باپ پریشان ہوں گے۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ میں زندہ ہوں یا مرگیا۔ محل میں ہر ایک پریشان ہوگا۔ اس

لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنے وطن جاؤں اور اپنے ماں باپ کو اپنی صورت دکھاؤں۔"

شہزادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ اُداس ہوگئی۔ شہزادی کو اُداس دیکھ کر شہزادہ فیروز شاہ بھی اُداس ہوگیا اور اس نے کہا: "اچھی شہزادی! تم سمجھتی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو پھر تم کو بھول جاؤں گا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تم کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ لیکن اگر تم میرے ساتھ چل سکو تو کتنا اچھا ہو۔"

شہزادی نے کہا: "میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تمھارے ساتھ چلوں۔ اس لیے کہ یہاں تمھارے بغیر کس طرح میرا جی لگے گا۔ میں تمھارے بغیر ایک دن بھی نہیں گزار سکتی ہوں۔ البتہ ایک بات یہ بتاؤ کہ کیا تمھارا یہ جادو کا گھوڑا تمھارے ساتھ مجھے بھی لے کر اُڑ سکتا ہے۔ میری تو یہ آرزو ہے کہ ساری زندگی تمھارے ساتھ رہوں اور کبھی الگ نہ ہوں۔"

شہزادے نے کہا: "میرے لیے اس سے بڑی کیا بات ہوسکتی ہے کہ ہم ساری زندگی ساتھ رہیں۔ میرا باپ بھی تم کو دیکھ کر خوش ہوگا۔ اور بڑی خوشی کے ساتھ تم کو اپنی بہو بنا لے گا تم گھوڑے کی بالکل فکر مت کرو۔ مجھے اس کا حال اچھی طرح معلوم ہوگیا۔ اور میں اسے جہاں چاہوں لے جا سکتا ہوں۔ تم کو ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ گھوڑا اتنا تیز چلتا ہے کہ ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ تم دیکھنا کہ یہ بہت جلد

ہمارے ملک میں پہنچ جائے گا۔

اب تو شہزادی بھی تیار ہو گئی اور دونوں نے چپ چاپ نکل جانے کا پروگرام بنالیا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے۔ شہزادی نے کسی کنیز سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

آخر بہت تڑکے جب محل کے تمام رہنے والے سو رہے تھے ہر طرف سناٹا تھا تو شہزادی اور فیروز شاہ دونوں بڑی خاموشی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ شہزادے نے گھوڑے کا بٹن گھمایا اور اس کا رُخ ایران کی طرف موڑ دیا اور گھوڑا دیکھتے دیکھتے ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ مغرب کی طرف چلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایران پر اُڑتا ہوا شہر کی دیوار کے پاس پہنچا۔ وہ شہزادے کا اپنا ایک خاص محل تھا جہاں شہزادہ فیروز شاہ گرمیوں کے دنوں میں سیر و تفریح کے لیے آیا کرتا تھا۔ اسے "ہوا محل" کہتے تھے۔

شہزادے نے گھوڑے کو 'ہوا محل' پر اُتارا۔ اس نے شہزادی کو اسی محل میں ٹھہرا دیا اور مشینی گھوڑا محل میں رکھ دیا۔ اس نے خانساماں سے کہا "میں بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں تم شہزادی کے آرام کا خیال رکھنا، اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور تم میرے لیے ایک بہت اچھا عربی گھوڑا لاؤ۔ میں اس پر بیٹھ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔"

خانساماں نے ایک گھوڑا لاکر دیا وہ اس پر سواری کرتا ہوا شاہی محل میں پہنچا۔ ذرا سی دیر میں سارے شہر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ ہمارا شہزادہ جو جادو کے گھوڑے پر غائب ہو

گیا تھا، واپس آگیا ہے۔ بادشاہ یہ سُن کر بے حد خوش ہُوا۔
ملکہ اور شہزادی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ان کو تو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی مُردہ زندہ ہوگیا ہو۔ ہر طرف چہل پہل ہوگئی۔ شہر کے لوگ بادشاہ کو مبارکباد دینے محل کی طرف چل پڑے۔ جسے دیکھو محل کی طرف چلا جا رہا ہے۔

ذرا سی دیر میں محل کے سامنے ایک دربار سا لگ گیا۔ ملکہ کی آنکھوں سے مارے خوشی کے آنسو ٹپکنے لگے۔ ہر طرف ایک شور مچا ہوا تھا۔ شہزادہ آگیا ـــــــ شہزادہ آگیا ـــــــ جشن کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

شہزادے نے سارا قصہ سُنایا ـــــــ مشینی گھوڑے کا دور آسمان تک اُڑنا ـــــــ سورج کے قریب پہنچ جانا ـــــــ اپنا پریشان ہونا ـــــــ گھبرا گھبرا کر بٹن کا ڈھونڈنا ـــــــ گھوڑے کے کان کے پاس بٹن کا مِل جانا ـــــــ پھر اس کا واپس ہونا ـــــــ اندھیری رات میں بنگال کی شہزادی کے محل پر اُترنا ـــــــ شہزادی کا مہربان ہونا ـــــــ غرض یہ تمام باتیں بڑی دلچسپی کے ساتھ سُنائیں۔

بادشاہ نے کہا "اگر ہمیں کہیں وہ شہزادی مِل جائے تو ہم اس کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے اپنی آدھی سلطنت اس کو دینے کے لیے تیار ہیں۔"

شہزادہ فیروز شاہ نے کہا "جہاں پناہ! میں جانتا تھا کہ آپ مجھ سے یہی کہیں گے کہ آپ شہزادی کو دیکھنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مجھے اس کا بھی یقین تھا کہ آپ شہزادی کو بہت پسند کریں گے۔

اس لیے میں اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا ہوں۔ شہزادی اس وقت 'ہوا محل' میں ٹھہری ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ اپنی خدمت کا موقع دیں اور اپنی بہو سمجھیں۔"

یہ سُن کر بادشاہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سمایا اور بولا "اس سے بڑی کیا بات ہو سکتی ہے کہ ہم اسے اپنی بہو بنالیں۔ اور اس طرح وہ بھی ہماری حکومت میں برابر کی حصّہ دار ہو۔ ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ اس کا تعلّق شاہی خاندان سے ہے۔ میں خود ہوا محل جاکر اسے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے محل میں لے کر آؤں گا اور آج ہی شادی کی رسمیں ادا کی جائیں گی۔"

اس کے بعد بادشاہ نے پردیسی کاریگر کو جیل سے چھوڑ دیا اور کہا "ہمارا شہزادہ خیریت سے آگیا۔ اب ہم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے گھوڑے کو لے کر یہاں سے فوراً چلے جاؤ اور پھر کبھی ہماری ریاست میں قدم مت رکھنا۔"

کاریگر کو بنگال کی شہزادی کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی اور اس نے سُن لیا تھا کہ شہزادی ہوا محل میں شہزادہ فیروز شاہ کا انتظار کررہی ہے۔ اس نے سوچا کہ اب بادشاہ نے مشینی گھوڑا لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ اس لیے بادشاہ سے بدلہ لینے کا اچھا موقع ہے۔ اس نے فوراً 'ہوا محل' کا راستہ معلوم کیا اور سیدھا 'ہوا محل' پہنچا۔ وہاں اُسے شہزادی نظر آئی۔ اس نے کہا "بادشاہ سلامت اور شہزادہ فیروز شاہ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں جادو

کے گھوڑے پر بٹھاکر آپ کو فوراً اُن کے پاس اسی وقت لے چلوں۔ اس وقت آپ کا بڑا شاندار استقبال ہوگا۔"

شہزادی کو یقین آگیا۔ وہ سمجھ گئی کہ شہزادے نے جاتے ہی میرے بُلانے کا انتظام کیا ہے۔ وہ فوراً جانے کے لیے تیار ہوگئی۔ کاریگر نے گھوڑے پر شہزادی کو بٹھایا اور فوراً بٹن گھمایا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اسی وقت بادشاہ، شہزادہ فیروز شاہ اور دربار کے تمام وزیر وہاں پہنچے لیکن کاریگر تو شہزادی کو لے کر اُوپر پہنچ چکا تھا۔ کاریگر نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ سب لوگ سمجھ گئے کہ کاریگر دھوکے سے شہزادی کو لے کر چلا گیا۔ سب لوگوں نے چیخ چیخ کر کاریگر کو دھمکایا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ذرا سی دیر میں وہ نظر سے اوجھل ہوگیا۔

اب تو شہزادے کی حالت بہت خراب ہوئی۔ وہ بیہوش ہوگیا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ پھر شہزادے کو ہوش تو آگیا۔ لیکن اب وہ تمام دن کمرے میں اکیلا پڑا رہتا۔ نہ کہیں آنا نہ جانا۔ ہر وقت چپ چپ سا رہتا۔ نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ کسی سے بات کرتا۔ لیکن پھر اس کو یہ خیال آیا کہ اگر میں اس طرح پڑا رہوں گا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ شاید شہزادی مل جائے۔ یہ سوچ کر ایک روز وہ چپ چاپ محل سے شہزادی کو ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑا۔ اس نے طے کر لیا کہ جب تک شہزادی نہیں ملے گی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

ادھر جب کاریگر شہزادی کو لے کر مشینی گھوڑے پر اُڑا تو

ذرا سی دیر کے بعد شہزادی کو پتہ چل گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اور کاریگر سے گڑگڑا کر کہنے لگی "مجھے میرے شہزادہ فیروز شاہ کے پاس لے چلو۔" لیکن کاریگر نے اس کی ایک نہ سُنی۔ اب وہ بے چاری بے بس ہو گئی۔ مشینی گھوڑا رات بھر اسی طرح اُڑتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے کشمیر کے جنگل میں اُترا۔ یہاں ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے اور زور کی سردی پڑ رہی تھی۔ یہاں آکر تو شہزادی اور چیخ چیخ کر رونے لگی۔ کاریگر نے بہت کوشش کی، لیکن شہزادی کسی طرح چپ نہ ہوتی تھی۔ اس نے چلّا چلّا کر سارا جنگل سر پر اُٹھا لیا۔ کاریگر کو غصہ آگیا اور اس نے شہزادی کو تھپڑ مارے، منہ میں کپڑا ٹھونسنے کی کوشش کی۔ لیکن شہزادی پھر بھی روتی اور چلّاتی رہی۔ وہ کسی طرح چُپ نہ ہوتی تھی۔

اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ کشمیر کا راجا اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکار کھیلتا ہوا اُدھر سے گذر رہا تھا۔ اُس نے جو ایک عورت کی چیخ و پُکار سُنی تو دوڑتا ہوا آیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کو مار پیٹ رہا ہے۔ راجہ نے کہا "تم کون ہو اور اس عورت کو کیوں مار رہے ہو؟"

کاریگر نے کہا "یہ میری بیوی ہے۔ میں جو چاہے کروں تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ اور تم میرے اور میری بیوی کے معاملے میں بولنے والے کون ہو؟"

شہزادی نے کہا "اس آدمی کی بات کو مت مانو۔ تم کو

خدا نے میری جان بچانے کے لیے بھیج دیا ہے۔ اگر تم ذرا دیر اور نہ آتے تو یہ آدمی مجھ کو جان سے مار ڈالتا۔ نہ یہ میرا شوہر ہے اور نہ میں اس کی بیوی ہوں۔ میں بنگال کی شہزادی ہوں اور میری شادی ایران کے شہزادہ فیروز شاہ سے ہونے والی تھی۔ یہ جادوگر ہے اور مجھے زبردستی دھوکے سے اس گھوڑے پر بٹھا کر لے آیا ہے تم میرے اوپر رحم کرو اور مجھے اس ظالم سے بچاؤ۔ خدا تم کو اس نیکی کا بدلہ دے گا۔"

راجا اس کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ یہ سچ بول رہی ہے۔ اس نے اپنے نوکروں سے کہا "اس جادوگر کو گرفتار کرلو۔ اور اسی وقت اس کو قتل کردو۔"

نوکروں نے فوراً اسے قتل کردیا اور راجا شہزادی کو اپنے محل میں لے گیا۔ جہاں اسے پہننے کے لیے بہترین کپڑے دیئے گئے۔ وہ ان کپڑوں کو پہن کر سچ مچ کی شہزادی بن گئی۔ راجا نے اس کی خدمت کے لیے بہت سی نوکرانیاں مقرر کردیں۔ اب تو شہزادی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ ایران جاکر شہزادہ فیروز شاہ سے شادی کرلے گی۔ لیکن بہت جلد اس کا خواب چور چور ہو گیا۔ کیونکہ راجا کو وہ اتنی اچھی لگی کہ اس نے طے کرلیا کہ وہ خود اس سے شادی کرلے گا۔

جب صبح ہوئی تو ہر طرف خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ سارے محل میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ جب راجا اس سے ملنے

آیا تو شہزادی نے پوچھا کہ "آج محل میں یہ دھوم دھام کیسی ہے"

راجا نے کہا "تم کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ ہماری شادی ہو رہی ہے۔ میں اور تم دولہا اور دلہن بنیں گے ـــــ اور سارا شہر خوشی سے ناچے گا ـــــ ہر طرف رنگ رلیاں منائی جائیں گی ـــــ"

یہ سُننا تھا کہ شہزادی سناٹے میں آگئی۔ ذرا سی دیر میں اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ راجا یہ سمجھا کہ مارے خوشی کے شہزادی بیہوش ہوئی ہے۔ اس کو طرح طرح سے ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔

جب شہزادی کو ہوش آیا تو اُس نے اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ اس کو جو چیز نظر آتی، وہ اٹھا کر پھینک دیتی۔ محل کے سب لوگ پریشان ہو گئے۔ راجا سمجھ گیا کہ وہ دیوانی ہو گئی۔ راجا کو بہت افسوس ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ شادی کی تیاریوں کو روک دیا جائے۔ پھر اس نے حکیموں اور ویدوں کو بلایا۔ لیکن شہزادی پر تو ایسا دورہ پڑا کہ وہ کسی طرح ہوش میں نہ آتی تھی۔ جب بھی کوئی اس کے پاس جاتا تو وہ خوب چیختی چلّاتی۔ حکیموں کو تو اپنے پاس بھی نہ آنے دیتی تھی اور کسی کی ہمّت نہ پڑتی کہ اس کے پاس جائے۔

شاہی حکیم نے کہا کہ "شہزادی کی بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اس لیے کہ جب ہم اس کو ٹھیک نہیں کر سکتے تو اور کون

رہے گا۔"

لیکن راجا مایوس نہیں ہوا۔ اس نے دُور دُور تک اپنی منادی کروادی کہ جو حکیم یا وید شہزادی کو ٹھیک کر دے گا، اُس کو مُنہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ لیکن شہزادی نہ تو دوا کھاتی اور نہ کسی کی بات سُنتی تھی۔ یہاں تک کہ کِسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتی۔ ذرا کوئی قریب آیا اور وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔ کِسی کی ہمّت نہ پڑتی تھی کہ شہزادی کے پاس جائے۔

شہزادہ فیروز شاہ مارا مارا پھر رہا تھا اور ہر طرف شہزادی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا لیکن شہزادی کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ آخر وہ چلتے چلتے ہندُستان میں داخل ہوا۔ ایک شہر میں اس نے سُنا کہ لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ کِس طرح ایک گھوڑے پر شہزادی آئی تھی اور کاریگر کو راجا نے موت کی سزا دی اور شہزادی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن شہزادی کے پاگل ہو جانے کی وجہ سے شادی روک دی گئی۔ اب تو شہزادے کو یقین ہو گیا کہ ضرور یہ ہماری شہزادی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے کو دیوانہ بنایا ہے تاکہ راجا اس سے شادی نہ کر سکے۔

شہزادے کی سمجھ میں نہ آیا کہ شہزادی کے پاس جائے تو کیسے جائے۔ پھر اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی حکیم بن کر شہزادی سے ملوں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے سارا پروگرام بنا لیا۔ اس درمیان میں اس کی داڑھی بہت بڑھ گئی تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شہزادہ ہے بلکہ دیکھنے سے کوئی بوڑھا فقیر معلوم

ہوتا تھا۔ اس نے دربار میں جاکر کہا "میں بہت دور سے شہزادی کا علاج کرنے آیا ہوں، اور شہزادی کو بالکل اچھا کر دوں گا۔ اگر شہزادی پھر بھی اچھی نہ ہو تو راجا کو اختیار ہے کہ میرا سر کاٹ دے۔"

حالانکہ اب راجا کو حکیموں پر کوئی بھروسہ نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی اس نے سوچا کہ یہ حکیم ضرور کامیاب ہوگا۔ اُس نے حکم دیا کہ شہزادی کو دکھایا جائے۔"

جب شہزادہ فیروز شاہ محل میں داخل ہُوا تو اس کی نظر دور سے شہزادی پر پڑی۔ وہ بستر پر پڑی رو رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ وہ سُوکھ کے کانٹا ہو گئی تھی۔ شہزادے نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو اسے بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے جاکر شہزادے سے کہا "میں شہزادی کی بیماری کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ لیکن اس کا علاج اُسی وقت ہو سکتا ہے، جب میں اکیلے میں اس کی بیماری کا حال سُنوں۔ کیونکہ بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر اس پر دورہ پڑنے لگتا ہے۔ اس لیے اس کے پاس کہیں کوئی آواز سُنائی نہ دے۔"

اب تو راجا کو یقین ہوگیا کہ حکیم اس کو ضرور ٹھیک کردے گا اس نے حکم دیا کہ حکیم کو اکیلے شہزادی کے کمرے میں چھوڑ دیا جائے۔

جب شہزادہ اس کے کمرے میں داخل ہوا تو شہزادی یہی سمجھی کہ اور حکیموں کی طرح سے یہ بھی کوئی حکیم ہے۔ اس

نے دیکھتے ہی شور مچانا شروع کر دیا۔ لیکن شہزادے نے آہستہ سے اس کے پاس جاکر کہا "میری پیاری شہزادی! میں ہوں۔ تمھارا فیروز شاہ"۔۔۔۔ میں تمھاری تلاش میں گھومتا پھرتا یہاں آیا ہوں"

اس کی آواز سُن کر شہزادی پہچان گئی۔ مارے خوشی کے ناچنے لگی۔ لیکن شہزادے نے کہا "ذرا صبر سے کام لو۔ اس لیے کہ ہمیں راجا کے لوگ دیکھ رہے ہیں"

شہزادے نے اس کا سارا حال سُنا اور اسے اپنا حال سُنایا۔ راجا کے آدمی دور سے دیکھ رہے تھے وہ یہی سمجھے کہ اب شہزادی کا حال اچھا ہے اور حکیم سے اپنی تکلیف کا ذکر کر رہی ہے۔ اور سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ اور انھیں یقین ہو گیا کہ شہزادی اب اچھی ہو جائے گی۔

ذرا سی دیر بعد شہزادہ کمرے سے نکلا اور سیدھا راجا کے پاس گیا۔ راجا کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادی اب بہتر ہے اور حکیم سے اپنا حال بیان کر رہی ہے۔

شہزادے نے راجا سے کہا "آپ خود دیکھ لیں کہ اب شہزادی پہلے سے بہتر ہے' اور اس کو اتنی تکلیف بھی نہیں ہے۔ اب وہ کسی کو مارنے کے لیے بھی نہیں دوڑتی"

اگلے روز راجا شہزادی کے کمرے میں گیا اور دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ شہزادی پہلے سے کتنی اچھی ہے۔ اس کے اگلے روز راجا شہزادی کے کمرے میں گیا اور اسے حیرت ہوئی کہ

بد مزاج بیوی کے لیے اور اچھا شیرمال خرید لے۔ لیکن ابھی اسے دکان پر بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اتنے میں قاضی کے دو سپاہی پہنچے اور انھوں نے معروف کو گرفتار کر لیا۔ گرفتار کرنے کے بعد قاضی کے پاس لے گئے۔ وہاں دیکھتا کیا ہے کہ فاطمہ پہلے سے موجود ہے۔ اس کے ہاتھ اور سر میں پٹی بندھی ہوئی ہے اور اس کے ہاتھ میں ٹوٹا ہوا دانت ہے۔ جیسے ہی قاضی کی نظر اس پر پڑی، اس نے ڈانٹ کر کہا۔ "اِدھر آؤ، نالائق کہیں کے ـــــ تجھے زرا سا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔ تم کو اپنی نوجوان بیوی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے شرم بھی نہیں آئی۔ یہ دیکھو تم نے اسے لہو لہان کر دیا ہے۔ اس کا دانت توڑ دیا ہے۔"

معروف نے سوچا کہ کاش اس وقت زمین پھٹ جائے اور اس میں زندہ سما جائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ آپس کی بات دور تک جائے۔ لوگ اس کے گھریلو جھگڑے سنیں۔ وہ تو اپنے گھر میں امن و امان چاہتا تھا۔ وہ قاضی کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں کیا کہ گواہی کے لیے پڑوسیوں کو بلائے۔"

اب تو قاضی کو یقین ہو گیا کہ ضرور یہ اسی کی حرکت ہے۔ اس لیے اس نے فوراً حکم دیا کہ " اس کو سو کوڑے مارے جائیں کہ آیندہ ایسی حرکت نہ کرے۔" بے چارے

جادو کا توڑ کرتا ہوں۔"

راجا نے حکم دیا کہ سارے شہر میں منادی کرادی جائے کہ لوگ اکٹھا ہو جائیں۔ پھر شہزادے سے پوچھا کہ کیا اس موقع پر شہزادی کو دلہن بنایا جائے۔"

شہزادے نے کہا ــــــ "ضرور۔ بلکہ شہزادی کو دلہن کا جوڑا پہنا دیا جائے۔ جب جادو کا اثر ختم ہو جائے تو پھر اسی وقت دھوم دھام سے شادی کا جشن منایا جائے۔ اور آج ہی اس کی شادی کی جائے۔"

یہ سُن کر راجا بہت خوش ہوا اور اس نے سوچا کہ چلو آج ہماری شادی بھی ہو جائے گی۔"

بس پھر کیا تھا ذرا سی دیر میں شہزادی کو خوب سجا کر دلہن بنا کر مشینی گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ راجا اور سارے درباری گھوڑے سے سو قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ شہزادے نے اس کے چاروں طرف کوئلہ جلوایا اور اس میں بہت سا لوبان ڈالا گیا۔ ذرا سی دیر میں ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا اور اتنا دھواں ہوا، اتنا دھواں کہ اس دھویں میں نہ تو شہزادہ دکھائی دیا، نہ شہزادی ــــــ اور نہ وہ جادو کا گھوڑا ــــــ شہزادہ موقع پاکر جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور اس نے پھرتی سے بٹن گھمایا۔ بٹن کا گھمانا تھا کہ گھوڑا ہوا میں اُڑنے لگا اور شہزادے نے زور کی سیٹی بجائی، اور کہا ــــــ "اب راجا صاحب اگر کسی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کریں

تو پھر ان کو چاہیے کہ لڑکی کی مرضی معلوم کرلیں۔ کسی سے زبردستی شادی کرنا بہت بُری بات ہے۔"

راجا صاحب دیکھتے رہ گئے۔ اُن کے سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ وہ دولہا بنے مشینی گھوڑے کو دیکھ رہے تھے اور دلہن مشینی گھوڑے پر سوار دور بہت دور نکل گئی تھی۔

اس طرح شہزادہ فیروز شاہ اپنے محل میں پہنچے تو دھوم مچ گئی۔ سارا محل خوشی سے جگمگا اُٹھا۔

بادشاہ نے ایک آدمی بنگال کے راجا کے پاس بھیجا۔ بنگال کے راجا کے یہاں تو شہزادی کے چلے جانے کے بعد بڑا غم منایا جا رہا تھا۔ وہ یہ خبر سُن کر بہت خوش ہُوا اور اس نے شادی کی اجازت تو دے ہی دی بلکہ خود بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس شادی میں شریک ہُوا۔

پھر تو شہزادہ اور شہزادی ہنسی خوشی رہنے لگے۔ وہ اپنی رعایا سے بہت محبّت کرتے تھے اور اُن کی رعایا بھی اُن سے خوب محبّت کرتی تھی۔

ایک موچی کے بادشاہ ہونے کا قصّہ

کہتے ہیں کہ مصر کے شہر قاہرہ میں ایک بڑا غریب آدمی رہتا تھا ——— معروف ——— معروف کی گزربسر جوتے بنانے پر تھی۔ ٹوٹے ہوئے جوتوں کی مرمت سے جو کچھ ملتا، اسی کو لے کر گھر آتا اور اپنی بیوی کے حوالے کر دیتا۔ معروف کی بیوی کا نام فاطمہ تھا۔ فاطمہ بڑی بدمزاج تھی۔ جہاں اس کا شوہر گھر میں داخل ہوا، فاطمہ نے اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کردیا۔ بات بات میں اس کو گالی دیتی۔ اگر کسی دن اس کو کام نہ ملتا اور بیچارا خالی ہاتھ گھر واپس آتا تو اس کو مارنے سے بھی نہ چوکتی۔ معروف بیچارا سیدھا سادا تھا۔ وہ یہ سب کچھ برداشت کرتا اور کچھ نہ کہتا۔ لیکن اس کی خاموشی کا بھی فاطمہ پر کوئی اثر نہ ہوتا وہ اُسے اور ستاتی۔ محلے پڑوس کے لوگ بھی فاطمہ کی بد زبانی سے بہت عاجز تھے۔ لیکن وہ بھی کیا کرتے۔ معروف شریف اور نیک آدمی تھا۔ اس لیے یہ سب کچھ برداشت

کرتا اور کسی سے کچھ نہ کہتا۔ فاطمہ اس کو ٹھیک سے کھانے کو بھی نہ دیتی نہ خود کھا پی کر بیٹھ جاتی اور معروف کو بھوکا رکھتی۔

ایک دن فاطمہ نے اس سے کہا ——— " آج شام کو جب تم آؤ تو میرے لیے شہد، مکھن اور شیرمال لیتے آنا۔ انہیں کھانے کو میرا بڑا جی چاہتا ہے۔

معروف نے کہا ——— " ضرور ——— لیکن بات تو جب ہے کہ آج مجھے اتنی مزدوری مل جائے کہ میں یہ چیزیں خرید سکوں۔ تم کو معلوم ہے کہ یہ کتنی مہنگی چیزیں ہیں۔ اس وقت میرے پاس دھیلا بھی نہیں ہے جو میں کوئی چیز خرید سکوں۔ خدا کرے کہ شام تک مجھے کچھ کام مل جائے اور اللہ کے کرم سے اتنے روپے ہوں کہ میں تمہاری فرمائش پوری کر سکوں۔"

" مجھے اللہ کے کرم سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ میں اس کا انتظام کر سکتی ہوں۔ میں تو تم سے کہہ رہی ہوں کہ اگر شام کو ان چیزوں کے بغیر گھر آئے تو تمہاری جان کی خیر نہیں ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر گھر میں داخل ہونا۔"

" خیر! فکر مت کرو۔ اللہ سب انتظام کر دے گا۔" معروف نے کہا۔

جب وہ صبح کو اپنی دکان میں داخل ہوا تو اس نے

خدا سے دعا کی۔" اے اللہ تعالیٰ! آج میری مدد کر ——
آج اتنا کام آجائے کہ میں اپنی بیوی کی فرمائش پوری
کر سکوں —— ورنہ وہ مجھے معاف نہیں کرے گی۔" بیچارا
معروف اسی طرح خدا سے دعا کرنے کے بعد چُپ چاپ
کام پر بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی آدمی کام
لے کر آئے —— لیکن کوئی آدمی بھی دُکان میں داخل
نہیں ہوا۔ بیچارا معروف ہاتھ پر ہاتھ دھرے دن بھر بیٹھا
رہا، —— لیکن کسی گاہک کو نہ آنا تھا، نہ آیا۔
شہد، مکھن، اور شیرمال تو ایک طرف، وہ تو روکھی سوکھی
کا انتظام بھی نہ کر سکا۔ مجبور ہو کر شام کو وہ دُکان
بند کر کے نکلا۔ وہ اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ جب گھر
میں داخل ہوگا تو اُس کی بیوی اس کو بُرا بھلا کہے گی۔ یہ
سوچتا ہوا وہ چلا جا رہا تھا۔ ذرا سی دور چلنے کے بعد اسے
شیرمال کی دُکان نظر آئی۔ اس نے بڑی حسرت سے دُکان
کی طرف دیکھا، اور پھر اس خیال سے کہ اس کے بغیر وہ
جب گھر میں داخل ہوگا تو خدا جانے اُس کی ظالم بیوی
اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے گی۔ جب وہ دُکان کے قریب
پہنچا تو اس کی آنکھ میں آنسو آگئے۔ دُکان کا مالک سامنے
بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ معروف سے اکثر اپنے پُرانے جوتے
ٹھیک کروایا کرتا تھا۔ اس نے کہا۔" معروف میاں! کیا حال
ہے؟ آج اتنے اُداس کیسے ہو۔ کوئی خاص پریشانی ہے؟

آؤ یہاں آؤ، مجھے اپنا حال سناؤ۔"

معروف نے کہا۔" میرے بھائی، سوائے خدا کے میری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ بدنصیبی ہر وقت میرے ساتھ لگی رہتی ہے، وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بس میں اپنی قسمت کا مارا ہوں۔"

جب دُکان دار نے بار بار پوچھا کہ اصل بات کیا ہے؛ تو معروف نے اسے اپنی بپتا سنائی اور کہا کہ اُس کی ظالم بیوی نے کیا کیا فرمائشیں کی ہیں۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے اس کی فرمائش پوری کرے۔

دُکاندار یہ سُن کر بہت ہنسا اور بولا۔" ارے بھائی! اب بیوی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ـــــ میں تم کو آج اتنا اچھا شیرمال، اور خالص شہد اور مکھن دوں گا کہ تمہاری بیوی نے اس سے پہلے ایسی چیزیں چکھی بھی نہ ہوں گی۔ وہ اس کو کھاکر خوش ہو جاتے گی اور پھر تمھارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گی۔"

معروف نے کہا ـــــ" لیکن میرے پاس پیسے کہاں ہیں، جو اس کی قیمت دے سکوں۔ آج تو میرے پاس تانبے کا ایک سکہ بھی نہیں ہے۔"

دُکاندار نے کہا ـــــ" تم اس کی فکر مت کرو۔ جب تمھارے پاس پیسے ہوں تو دے دینا۔ اس وقت تو تم یہ چیزیں لے کر اپنے گھر جاؤ اور بیوی کی فرمائش پوری

کرو۔"

معروف نے دُکاندار کا شکریہ ادا کیا ــــ دُکاندار نے کہا ــــ "شکریے کی کوئی ضرورت نہیں ــــ بس تم سیدھے اپنے گھر جاؤ۔"

جب معروف یہ تمام چیزیں لے کر خوشی خوشی گھر میں داخل ہوا تو بیوی نے اکدم سے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ "تم لائے میرے لیے شہد، مکھن اور شیرمال؟"

معروف نے کہا ــــ "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھاری فرمائش پوری کردی ــــ لو یہ تینوں چیزیں لایا ہوں ــــ"

معروف نے جلدی جلدی یہ تمام چیزیں ایک پلیٹ میں رکھ دیں۔

لیکن اس بدمزاج عورت نے ان کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں اور بولی ــــ "اچھا تم یہ لائے ہو ــــ یہ تو بہت معمولی قسم کا شیرمال ہے۔ میں تو خستہ شیرمال کھاؤں گی ــــ یہ اس لائق ہے کہ میں اسے کھاؤں؟ ــــ اے ذلیل کتے! مجھے مارنے کے لیے یہ زہر لائے ہو۔ لے جاؤ اسے اپنی ماں کی قبر پر رکھنا۔"

یہ کہہ کر اس نے وہ پلیٹ معروف پر دے ماری۔ وہ پلیٹ معروف کے منہ پر لگی۔ معروف کا دانت ٹوٹ گیا، وہ لہو لہان ہو گیا۔ جیسے ہی معروف کے چوٹ لگی، اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے غصے میں جو ہاتھ چلایا تو

فاطمہ کے سر پر پڑا۔ فاطمہ کے سر پر معروف کا جو ہاتھ پڑا تو فاطمہ کو بہت غصہ آیا، ـــــــــ اس نے اُٹھ کر معروف کی داڑھی پکڑلی اور چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

"لوگو دیکھو یہ مرد مجھے مار رہا ہے۔ اس نے مجھ بے بس عورت پر ہاتھ چھوڑا۔"

پڑوسیوں نے جو یہ چیخ و پکار سُنی تو وہ بھی دوڑ پڑے۔ اب جو وہ دیکھتے ہیں تو معروف کی داڑھی فاطمہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ بُری طرح چیخ رہی ہے۔ بڑی مشکل سے انھوں نے معروف کو چھڑایا۔ معروف کی چوٹ دیکھ کر تو وہ سمجھ ہی گئے تھے کہ زیادتی کس کی ہے۔ انھوں نے فاطمہ کو سمجھانا شروع کیا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور عورت ہوتی تو ضرور مان جاتی اور اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا۔ لیکن بھلا فاطمہ کہاں ماننے والی تھی وہ برابر چیختی رہی۔ آخر پڑوسی سمجھا بجھا کر چلے گئے۔

جب پڑوسی چلے گئے تو پھر فاطمہ نے معروف کے پاس جاکر اس کا سر پکڑا اور بولی۔" اچھا تو تم ان کمبخت پڑوسیوں کو میرے خلاف اُبھارنے کی کوشش کررہے ہو۔ میں تم کو اس کی سزا دوں گی۔"

جب فاطمہ کا غصہ کم ہوا تو معروف نے

شیر مال کو اٹھایا اور لے کر بیوی کے پاس گیا اور بولا۔ "میری پیاری بیوی! آج تم اسے کھاؤ۔ کل اس سے اچھا لا دوں گا' جیسا تم کہو گی۔"

فاطمہ نے اسے دیکھ کر پھر ایک لات ماری اور کہا —— "دُور ہو میرے سامنے سے۔ کھانا تو دوسری بات ہے۔ میں تو اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی لے جاؤ اس کو —— اب دیکھنا میں تم کو کیسا ٹھیک کرتی ہوں۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

اب معروف نے اندازہ لگا لیا کہ فاطمہ کو سمجھانا مشکل ہے۔ وہ مایوس ہو گیا۔ اس نے جا کر منہ دھویا۔ اپنا خون صاف کیا۔ اس کو بھوک تو لگی ہوئی تھی تمام دن کھانے کو کچھ ملا نہیں تھا۔ وہ شیر مال وغیرہ لے کر کھانے کے لیے بیٹھ گیا —— جب وہ کھا رہا تھا تو فاطمہ سامنے بیٹھی اسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی —— "خدا کرے کہ یہ زہر ہو کر تیرے بدن میں لگے۔"

لیکن جب معروف کچھ نہ بولا تو پھر اس کا غصّہ اور بڑھ گیا۔ اس نے گھر کا بہت سارا سامان اِدھر اُدھر پھینکا اور رات بھر چیختی چلّاتی رہی۔ معروف کے لیے رات کو سونا مشکل ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی معروف کپڑے بدل کر دُکان پر پہنچ گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید آج کچھ مل جائے تو وہ اپنی

وہ شہزادی جو کل آدمی کو دیکھ کر کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی اب اس کی آؤ بھگت کر رہی ہے۔

راجا کو بالکل یقین آگیا کہ شہزادہ کوئی بہت اچھا حکیم ہے۔ اس نے سوچا کہ شادی کی تیاریاں پھر سے شروع کر دینا چاہئیں۔ لیکن شہزادے نے کہا "ابھی نہیں ورنہ ممکن ہے کہ باجوں کی آواز سے شہزادی کو پھر سے دورہ پڑ جائے۔ اب اُس نے راجا سے کہا ——— "شہزادی پر کسی جادو کا اثر ہے۔ اس لیے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ شہزادی کہاں سے اور کیسے آئی"

راجا نے کاریگر اور اس کے گھوڑے کا حال سُنایا اور کہا "میں نے گھوڑے کو ایک خاص کمرے میں رکھ دیا ہے مجھے بھی یہ شک ہے کہ یہ لکڑی کا گھوڑا ضرور جادُو کا ہے"

گھوڑے کا ذکر سُن کر پہلے تو شہزادے نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ پھر آہستہ سے کہا "مجھے یقین ہے کہ شہزادی کی بیماری اسی جادو کے گھوڑے سے ہوئی۔ اس لیے آپ اس گھوڑے کو شہزادی کے محل میں پہنچا دیجیے۔ اس کے بعد میں گھوڑے پر پڑھ کر کچھ پھونکوں گا اور اس پر سے جادو کا اثر ختم کر دوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ میں نے ایسے کتنے جادوؤں کا زور ختم کیا ہے"

راجا پر شہزادے کی بات کا اثر ہُوا اور اس نے سر ہلایا۔ شہزادے نے کہا ——— "اگر آپ چاہیں تو اس موقع پر شہر کے لوگوں کو بھی بلا لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ میں کس طرح

معروف پر کوڑے پڑنے شروع ہوئے اور فاطمہ خوش خوش کھڑی دیکھتی رہی۔

اس کے بعد معروف گھسٹتا ہوا دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ وہاں ایک کھنڈر تھا۔ اس میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا کہ اب اپنے گھر میں رہنے سے تو موت ہی بہتر ہے۔ وہاں بہت دیر تک پڑا رہا۔ جب ذرا وہ چلنے کے لائق ہوا تو اس نے ایک جہاز دیکھا۔ اس کے کپتان کو اپنی مصیبت کا حال سُنایا اور کہا کہ" مجھے کوئی کام دو"کپتان نے اس کو اپنے پاس کام دے دیا۔ اب وہ جہاز میں کام کرنے لگا۔ اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے۔ اچانک ایک دن سمندر میں طوفان آیا اور جہاز ڈوب گیا۔ جہاز کے تمام مسافر ڈوب کر مر گئے۔ لیکن اتفاق دیکھیے کہ معروف بچ گیا۔ سمندر کی لہروں نے معروف کو کنارے پر لاکر ڈال دیا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر بیہوش پڑا رہا۔ جب اسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک اجنبی اس کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ یہ بڑا زرق برق لباس پہنے ہوئے ہے۔ جیسے ہی معروف نے آنکھ کھولی، اس نے کہا۔" خدا کا شکر ہے کہ تم جیتے ہو۔ میں تو تمھاری زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اب تم ہمارے ملک میں آگئے ہو۔" پھر اس نے ذرا غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔" تمھارے کپڑوں کو دیکھ کر تو ایسا لگتا

ہے کہ تم مصر کے رہنے والے ہو۔"

معروف نے کہا۔" میرے بھائی تمھارا خیال صحیح ہے۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں اور میرا مکان قاہرہ میں ہے۔"

اس آدمی نے کہا۔" بھائی زرا یہ تو بتاؤ کہ تم قاہرہ کے کس محلّے کے رہنے والے ہو؟"

معروف نے کہا۔" لال سڑک پر۔"

"لال سڑک پر!" اس نے کہا۔" وہاں کے کس کس آدمی کو جانتے ہو ــــ تم وہاں کیا کام کرتے تھے؟"

معروف نے کہا۔" میں موچی ہوں اور پُرانے جوتوں کی مرمّت کرتا ہوں۔ اور میں اس محلّے کے تقریباً تمام لوگوں سے واقف ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے چند لوگوں کے نام بتائے اور خاص طور پر ان لوگوں کے جو اسی سڑک پر رہتے تھے۔"

تب اس رئیس نے پوچھا۔" زرا یہ تو بتاؤ کہ تم احمد عطر فروش سے بھی واقف ہو؟"

"احمد عطر فروش! خدا تمھارا بھلا کرے۔ وہ تو میرا ہمسایہ ہے۔"

رئیس نے پوچھا ــــ" اس کے کتنے بچّے ہیں؟"

معروف نے کہا ــــ "صرف تین ــ مصطفیٰ ــ محمد اور علی۔"

رئیس نے پوچھا۔" وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟"

معروف نے جواب دیا۔" بھائی! مصطفیٰ تو بہت بڑا عالم ہو گیا ہے۔ وہ ایک درس گاہ میں معلّم ہے۔ اس نے

قرآنِ پاک حفظ کر لیا ہے۔ اور وہ بہت اچھا قاری بھی ہے۔
—— جہاں تک محمد کا معاملہ ہے، وہ اپنے خاندانی کام میں لگ گیا ہے اور وہی عطر فروش کا کام کر رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں بوڑھے باپ نے اس کے لیے ایک عطر کی نئی دکان کھولی ہے —— اور بھائی تیسرا بیٹا علی —— وہ تو میرا بچپن کا دوست تھا۔ ہم لوگ بچپن میں ایک ساتھ کھیلتے، کودتے اور شرارتیں کرتے تھے۔ لیکن اچانک ایک دن وہ قاہرہ سے غائب ہو گیا۔ خدا جانے وہ کہاں گیا اور اس کا کیا ہوا۔ بیس سال ہو گئے۔ اس کا پتا نہ چلا کہ کہاں ہے۔"

جیسے ہی اس آدمی نے معروف کی زبان سے یہ سنا، وہ فوراً اس سے لپٹ گیا اور زارو قطار رونے لگا اور بولا —— "میرے بھائی میں علی ہوں —— احمد عطر فروش کا بیٹا۔"

اب تو دونوں میں خوب خوب باتیں ہوتیں —— جب علی کو معلوم ہوا کہ معروف نے کئی روز سے کچھ نہیں کھایا تو وہ اسے اپنے شاندار مکان میں لے گیا، جہاں اس کے ملازموں نے اس کی خوب خاطر مدارات کی۔ اس کے بعد پھر علی نے اسے اچھے کپڑے پہنائے اور اُس سے تمام باتیں کیں۔ معروف نے اپنی بیوی کے بارے میں بتایا۔ "میرے بھائی! جب سے میری شادی ہوئی ہے، زندگی برباد ہو گئی ہے —— میری بیوی نے میرے گھر کو جہنم بنا دیا

ہے اور اب میرے لیے گھر میں رہنا تقریباً ناممکن ہوگیا تھا۔ آخرکار میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں گھر بار چھوڑ کر کہیں نکل جاؤں" —— پھر معروف نے فاطمہ کا جھگڑا کرنا —— اس کا سمندر کے کنارے آنا —— جہاز میں نوکری کرنا اور جہاز کا ڈوبنا —— یہ سب کچھ کہہ سُنایا۔

علی نے اس سے کہا کہ" اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ میں شہر کا سب سے بڑا تاجر ہوں۔ جب سے یہاں آیا ہوں میری قسمت کا ستارہ چمک گیا ہے۔ شہر میں میری بہت عزت ہے۔" یہ سُن کر معروف کو ذرا اطمینان ہوا۔

پھر علی نے معروف کو تسلی دیتے ہوئے کہا —" اب تم اطمینان رکھو اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے معروف کو ایک ہزار اشرفی کی تھیلی دے کر کہا۔" تم یہ اشرفیاں لو اور کل صبح گھوڑے پر سوار ہو کر بازار میں جاؤ۔ وہاں تم کو بہت سے سوداگر ملیں گے۔ ان میں، میں بھی ہوں گا اور جب میں تم کو دیکھوں گا تو اُٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور تمھارے ہاتھوں کو چوموں گا۔ اس کے بعد میں تم کو بہت اچھی دُکان دوں گا جس میں دنیا کے مختلف ملکوں کا سامان بھرا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ایک کی نظر میں تمھاری عزت بڑھ جائے گی۔ اور پھر تھوڑے دِنوں کے اندر تمھارا کاروبار

کہیں سے کہیں پہنچ جاتے گا۔"

یہ سُن کر معروف نے کھڑے ہو کر علی کے ہاتھوں کو چوما اور کہا —— "میرے بھائی! اس پردیس میں تم میرے ساتھ جو نیکی کر رہے ہو، اس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

اگلے روز علی کی ہدایت کے مطابق معروف ایک شاندار گھوڑے پر سوار ہو کر بازار کی طرف بڑی شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوا۔ علی نے ویسا ہی کیا، جیسا اُس نے کہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سوداگروں پر اس کا رعب پڑا۔ زرا سی دیر کے بعد چند سوداگر علی کے پاس گئے اور چپکے سے بولے —— "یہ کوئی بہت بڑا سوداگر معلوم ہوتا ہے۔"

علی نے کہا۔ "بڑا سوداگر! ارے بھائی یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ دنیا کے بڑے بڑے سوداگروں میں سے ہے۔ اس کا کاروبار ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ اس کی دکانیں مصر سے لے کر یمن اور ہندوستان سے چین تک میں ہیں اور بھائی میں تو اس کے سامنے یوں سمجھو کہ ایک معمولی خوانچہ والا ہوں۔ میرے اور اس کے کاروبار کا کیا مقابلہ۔"

سوداگروں نے جو یہ سُنا تو وہ دنگ رہ گئے اور زرا سی دیر میں انھوں نے ہر طرف سے معروف کو گھیر لیا۔ ہر ایک نے معروف کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی۔"

لیکن معروف نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "اس وقت مجھے معاف رکھیے کیونکہ میں نے تو علی سوداگر کی دعوت قبول

کرلی ہے۔"

اس کے بعد کپڑوں کی بات چلی۔ ہندوستان اور چین کے ریشم کے کپڑوں کی۔ معروف نے کہا کہ" اس کے پاس بہت کپڑا ہے اور دنیا میں کپڑے کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جو اس کے پاس نہ ہو۔ ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا ریشمی کپڑا ہے، جسے دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ مجھے تو یہاں ایک جگہ بھی ایسا کپڑا نظر نہیں آرہا ہے۔"

جب ان سوداگروں نے کپڑا دیکھنے کے لیے کہا، تو معروف نے کہا۔" ابھی ٹھہرو۔ میرا قافلہ آرہا ہے جو چند روز میں یہاں پہنچ جائے گا۔ اس میں ایک ہزار اونٹوں پر یہ سارا سامان لدا ہے۔" یہ سُن کر وہ سب دنگ رہ گئے اور ان پر اور زیادہ رعب پڑا۔ ابھی وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں وہاں ایک فقیر آیا اور بھیک مانگنے لگا۔ جتنے سوداگر بیٹھے تھے کسی نے اسے دھیلا دیا تو کسی نے دو دھیلے اور کسی نے ٹال دیا۔ لیکن معروف نے لاپرواہی سے جیب میں ہاتھ ڈالا، اور سونے کے چند دینار اس کے ہاتھ میں دے دیے۔ اس بات کو دیکھ کر تو گویا محفل میں سناٹا چھا گیا۔ ہر ایک سوچنے لگا کہ ایک آدمی جو فقیر کو سونے کے سکّے دیتا ہے، وہ کتنا دولت مند ہوگا۔

اب تو ذرا سی دیر میں سوداگر کی دولت کی کہانی دُور

دور تک پہنچ گئی۔ ہر ایک کی زبان پر اُس کا نام تھا۔ جسے دیکھو معروف کی باتیں کر رہا تھا —— اُڑتے اُڑتے یہ بات بادشاہ کے کان میں بھی پہنچ گئی۔ بادشاہ نے اپنے وزیرِ اعظم کو مشورے کے لیے بُلایا اور کہا۔ "میں نے سُنا ہے کہ ہمارے یہاں ایک باہر کا دولت مند سوداگر آیا ہے اور اس کا ہزار اونٹوں کا قافلہ آنے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا فائدہ شاہی خزانے کو پہنچے"

وزیر نے کہا۔" آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں —— لیکن کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس کے قافلے کے آنے کا انتظار کریں"

بادشاہ نے غصّے سے کہا —— " یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا کھانے میں اس وقت ہاتھ ڈالنا چاہیے جب کتے اس پر جھپٹ پڑیں۔ تم اسی وقت اس دولت مند سوداگر کو لے کر میرے پاس آؤ۔"

چنانچہ وزیر معروف کو دربار میں لے آیا —— معروف نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا کر آداب کیا اور بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے بہت سی باتیں کیں۔

بادشاہ اس کی باتوں سے بہت خوش ہوا اور اس نے معروف کے کاروبار اور تجارت کے بارے میں بہت سی باتیں کیں مگر معروف ذرا سی دیر بعد یہی کہتا۔ "جب میرا قافلہ آئے گا تو جہاں پناہ خود دیکھیں گے کہ

اس میں کیسا کیسا بیش قیمت سامان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اسے دیکھ کر خوش ہوں گے۔"

بادشاہ کو بھی معروف کی بات کا یقین آگیا اور اس نے ایک قیمتی موتی دکھاتے ہوئے کہا— "پردیسی سوداگر! کیا تمہارے قافلے میں اتنا قیمتی موتی ہے۔"

معروف نے ہاتھ میں لیا اور ایک نظر ڈالنے کے بعد زمین پر پھینک دیا اور پاؤں سے روند ڈالا۔ بادشاہ گھبرا گیا اور بولا۔ "ارے یہ تم نے کیا کیا! اتنا قیمتی موتی توڑ ڈالا۔ اس کی تو قیمت ایک ہزار دینار تھی۔"

"ہاں ہاں اس کی یہی قیمت ہے جہاں پناہ۔ لیکن میرے پاس تو اس سے بھی زیادہ قیمتی موتی، بوریوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ قافلے کو آنے دیجیے پھر دیکھیے گا کہ قیمتی موتی کسے کہتے ہیں۔ آپ خود حیران رہ جائیں گے۔"

بادشاہ نے جو یہ سنا تو اس نے طے کر لیا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اسی سے کرے گا۔"

تب وہ معروف سے بولا۔ "اے تاجروں کے بادشاہ! اگر تم پسند کرو تو میں چاہتا ہوں کہ تم میری بیٹی سے شادی کر لو تاکہ میرے بعد میرے تخت پر بیٹھو اور یہاں حکومت کرو۔"

معروف تو علی کی صحبت میں بہت سمجھدار ہو گیا تھا۔ اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "جہاں پناہ! میں کیا

عرض کروں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ جب تک میرا قافلہ نہیں آجاتا میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ میری ساری دولت تو قافلے کے ساتھ ہے۔ شادی کے لیے ایسا انتظام ہونا چاہیے جو میرے اور آپ کے شایانِ شان ہو۔ شادی میں تو ہزاروں لاکھوں یوں ہی خرچ ہوتے ہیں اور میں تو یہ چاہتا ہوں کہ شادی کے موقع پر کوئی فقیر ایسا نہ ہو، جسے مالا مال نہ کردوں۔ میں دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانا چاہتا ہوں —— اور یہ چاہتا ہوں کہ محل کی ہر عورت کو سو سو قیمتی موتیوں کا ہار دیا جائے تاکہ سارا محل جگمگا اُٹھے —— لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب میرا قافلہ آجائے۔"

بادشاہ کے اوپر اس کا بھرپور اثر ہوا۔ اور بادشاہ نے کہا "اجنبی سوداگر! تم فکر مت کرو۔ تمہاری شادی کا سارا خرچ شاہی خزانہ برداشت کرے گا، اور جب تم ہمارے اپنے ہو گئے تو پھر ہماری اور تمہاری دولت میں کیا فرق ہے۔ تم کو جتنے روپے کی ضرورت ہو، بے تکلف خزانے سے لے سکتے ہو۔ کوئی تم کو ہرگز نہ روکے گا لیکن یہ شادی فوراً ہوگی، اس میں دیر نہ کی جائے گی۔"

بادشاہ نے اپنے وزیر کو فوراً حکم دیا۔"جاؤ! شیخ الاسلام کو بلاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ شادی کے سلسلے میں فوراً انتظامات شروع ہو جائیں کیونکہ یہ شادی بڑے شاندار

طریقے سے ہوگی۔"

وزیر پہلے تو کچھ نہ بولا۔ لیکن اس نے بادشاہ کے کان میں آہستہ سے کہا۔" جہاں پناہ! میری رائے یہ ہے کہ آپ اتنی جلدی نہ کریں۔ اس لیے کہ اس کا تعلق ہماری شہزادی کی ساری زندگی سے ہے۔ مجھے تو اس آدمی پر شک ہے۔ اس لیے بہتر ہے، یہ دیکھ لیں کہ اس کا قافلہ آتا بھی ہے یا نہیں۔"

بادشاہ نے جیسے ہی سُنا، اس کو بہت غصہ آیا اور اس نے چیخ کر کہا ——" نالائق کمینے! تم کو شرم نہیں آتی کہ تم میرے سامنے ایسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے شک یہ ہے کہ تم خود میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ لیکن یاد رکھو یہ کبھی نہیں ہو سکتا —— کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی بیٹی کا بُرا بھلا خود سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ آدمی بہت پسند ہے اور میں ہر اعتبار سے اُسے اپنی بیٹی کے لائق سمجھتا ہوں۔ اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میں نے تم کو جو حکم دیا ہے، اس پر عمل کرو۔"

اس کے بعد وزیر گیا اور شیخ الاسلام کو لایا۔ اس نے نکاح کے تمام کاغذات اسلامی قاعدے کے مطابق تیار کیے۔ اس کے بعد شادی ہوئی۔ ہر طرف شادیانے بجے، گانے بجانے ہوئے۔ سارا شہر سجادیا گیا۔ ہر طرف رونق ہو گئی۔ خزانے کا منہ کھول دیا گیا اور معروف

نے لوگوں کو بہت کچھ دیا۔ چار دن تک یہ حالت تھی کہ کوئی فقیر دروازے سے مایوس نہ ہوا۔ پانچویں روز شہر میں کوئی محتاج باقی نہ رہا۔ معروف کا نام گلی گلی کوچے کوچے میں مشہور ہو گیا۔ اور اب معروف اپنی قسمت پر رشک کرنے لگا کہ کل تک میں پُرانے جوتوں کی مرمت کرتا تھا اور اپنی بیوی کی مار کھاتا تھا اور آج بادشاہ کی لڑکی سے میری شادی ہوگئی ہے اور تخت کا وارث ہوں۔ جب اُس نے شہزادی کو دیکھا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ لیکن پھر وہ اکدم اداس ہوگیا۔

شہزادی نے کہا "آپ اُداس کیوں ہیں ——— کیا ہم لوگوں سے کوئی غلطی ہوئی؟"

معروف نے کہا۔" مجھے شرم آرہی ہے کہ ساری دولت ہونے کے باوجود میں اپنی دولت کے بل بوتے پر شادی نہ کر سکا۔ ہر شوہر کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بہترین تحفہ دے۔ میرے پاس ایک سے ایک قیمتی ہیرے اور جواہرات ہیں۔ لیکن آج میں تم کو کچھ بھی نہ دے سکوں گا۔ میں نے اِسی لیے بادشاہ سلامت سے کہا تھا کہ ابھی کچھ دن اور شادی نہ کریں۔ قافلے کو آ جانے دیں۔ لیکن وہ میری بات نہ مانے اور آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑا کہ میں اپنی چاند سی بیوی کے سامنے خالی ہاتھ کھڑا ہوں۔"

شہزادی نے کہا۔" آپ کیسی باتیں سوچ رہے ہیں۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ مجھے آپ کی دولت سے کوئی مطلب نہیں ـــــ مجھے آپ مل گئے، گویا سب کچھ مل گیا۔"

معروف کو یہ سُن کر اطمینان ہو گیا۔

اگلے روز جب معروف دربار میں گیا تو سب لوگوں نے اُسے مبارکباد دی۔ معروف نے وزیر سے کہا" ان سب کو شاہی خزانے سے انعام دو۔"

اس طرح بیس دن تک معروف لوگوں کو شاہی خزانے سے انعام و اکرام دیتا رہا۔ لیکن معروف کے قافلے کے بارے میں کوئی خبر نہ آئی۔ آخر ایک دن یہ نوبت آگئی کہ شاہی خزانہ خالی ہو گیا۔ وزیر پریشان ہو گیا اور اس نے بادشاہ سے کہا ـــــ" جہاں پناہ! میں آپ سے کیا عرض کروں۔ اب میرے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔ شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور ابھی تک آپ کے داماد کا قافلہ نہیں آیا ہے کہ اس خزانے میں کچھ اضافہ ہو جاتے۔ اب تک تو اس میں سے صرف دولت نکلتی ہی رہی ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔" ایسی بات مت کرو۔ قافلہ ضرور آئے گا۔ یہ اور بات ہے کہ وقت پر نہ پہنچ سکا۔ سفر میں دو چار دن تو لگ ہی جاتے ہیں۔"

وزیر نے کہا۔" جہاں پناہ! خدا آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ جب سے یہ اجنبی یہاں آئے ہیں، ہماری مصیبتیں بڑھ گئی ہیں۔ جہاں تک اُن کے قافلے کا معاملہ ہے ہم کو تو اُن کے قافلے کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں چل رہا ہے اور ہماری مشکل یہ ہے کہ ہماری شہزادی کی شادی اُن سے ہو گئی ہے ـــ ایک ایسے آدمی سے جس کے بارے میں ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم۔ خدا ہمیں ہر پریشانی سے بچائے رکھے۔"

اب بادشاہ بھی یہ سُن کر گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔ "بے کار باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس کا کوئی حل بتاؤ۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ ہمارا داماد جھوٹا ہے۔"

وزیر نے کہا۔" یہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ کسی آدمی کو اس وقت تک سزا نہ دینی چاہیے جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ جھوٹا ہے ـــــ لیکن یہ بات آپ کو صرف شہزادی صاحبہ ہی بتا سکتی ہیں۔ اس لیے اگر انہیں یہاں بلایا جائے تو ہم پردے کے پیچھے سے پوچھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔"

بادشاہ نے کہا۔" ہاں اس کی اجازت ہے۔ اور اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ معروف جھوٹا ہے تو میں اس

کو پھانسی کی سزا دوں گا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے گی۔"

اتفاق سے اس وقت معروف گھر میں موجود نہ تھا شہزادی کو بادشاہ نے بلوایا۔ شہزادی نے کہا ـــ"یہاں مجھ سے کیا کام ہے۔"

وزیر نے کہا۔" شہزادی صاحبہ! ہمارا خزانہ خالی ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ ہمارے نئے مہمان کی بدولت ہوا ہے۔ ابھی تک ان کا قافلہ نہیں آیا ہے، جس کا بہت شور تھا۔ اس لیے مجھے بادشاہ سلامت نے یہ اجازت دی ہے کہ میں ان کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کروں۔ کیونکہ آپ انھیں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی۔"

شہزادی نے کہا " خدا میرے شوہر معروف کو ہمیشہ زندہ رکھے۔ اس کے اوپر کوئی آفت نہ آئے ـــ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ اُن کے بارے میں میری رائے کیا ہے؟ وہی جو ایک شوہر کے بارے میں اس کی بیوی کی ہو سکتی ہے۔ میں سوائے اچھائی کے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ اُن کی زبان میں جتنی مٹھاس ہے، اتنی تو شکر میں بھی نہ ہوگی اور میری تو جب سے شادی ہوئی ہے، زندگی پلٹ گئی ہے۔ میری تندرستی ٹھیک ہو گئی ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ مجھے اور کیا چاہیے۔"

تب بادشاہ نے وزیر سے کہا۔" دیکھا تم نے! میرا داماد بہت اچھا ہے تم بلا وجہ اس پر شک کر رہے ہو۔ لیکن وزیر نے پھر شہزادی سے کہا۔" شہزادی صاحبہ! ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس کے ایک ہزار اونٹوں کے قافلے کا کیا ہوا؟۔"

" اس قافلے کے آنے نہ آنے سے میرا کیا تعلق ہے"۔ شہزادی نے کہا۔" کیا اس کے آنے سے میرا شوہر اور اچھا ہو جائے گا؟ یا نہ آنے سے بُرا ہو جائے گا؟ مجھے تو اس کی کوئی فکر نہیں ہے"۔

وزیر نے کہا۔" لیکن اگر وہ قافلہ نہ آیا تو پھر محل کا خرچ کیسے چلے گا۔ اس لیے کہ سرکاری خزانہ تو خالی ہو گیا ہے۔ آپ کے اور امیر معروف کے لیے دولت کہاں سے آئے گی۔"

شہزادی نے کہا۔" اللہ مہربان ہے۔ ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔ وہ اپنے بندوں کا خیال رکھتا ہے۔"

بادشاہ نے وزیر سے کہا۔" بس میری لڑکی ٹھیک کہتی ہے۔ تم اپنی زبان بند کرو۔ میں معروف کے خلاف ایک لفظ بھی سُننا نہیں چاہتا"۔ پھر بادشاہ نے شہزادی سے کہا۔ " البتہ بیٹی! تم ایک کام کرو۔ اس بات میں کوئی حرج نہیں اگر ہم اس سے یہ معلوم کریں کہ اس کا قافلہ یہاں کب تک آتے گا۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ پھر ہم قاعدے سے

خرچ کریں گے اور ضرورت پڑنے پر نئے ٹیکس لگائیں گے۔"
شہزادی نے کہا" اچھی بات ہے۔ میں معروف سے آج پوچھوں گی۔ اور جیسا وہ بتائیں گے، کل صبح آپ کو بتا دوں گی۔"
رات کو جب معروف محل میں آیا تو شہزادی نے موقع پاکر اس سے کہا۔" میرے پیارے شوہر! تم میرے لیے سب کچھ ہو۔ مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ تم جس حال میں بھی ہو، میرے لیے ٹھیک ہے۔ میں تمھارے لیے ہر تکلیف اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ تم مجھے صحیح صحیح بات بتادو کہ کیا ہے۔ یہ ایک ہزار اونٹوں کے قافلے کا کیا قصہ ہے۔ میں اس کا ذکر کسی سے کبھی نہ کروں گی۔"
معروف نے کہا۔" تم بے فکر رہو۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔" یہ کہہ کر معروف نے کہا۔" میری پیاری بیوی! میں کوئی سوداگر نہیں ہوں۔ اور نہ میرا کوئی قافلہ آرہا ہے۔ نہ میرے پاس کوئی دولت ہے۔ میں تو اپنے ملک میں ایک موچی تھا۔ لیکن بدقسمتی سے میری شادی ایک بدزبان عورت فاطمہ سے ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا گھر جہنم بن گیا۔ اور اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کی فرمائش، قاضی سے سزا پانا، سمندر کے کنارے آنا، جہاز پر نوکری کرنا، جہاز کا ڈوب جانا ــــ پھر علی سوداگر کا ملنا ــــ یہ تمام باتیں بڑی تفصیل سے سنائیں ــــ اس نے کوئی بات نہیں چھپائی۔"
شہزادی نے جب یہ قصہ سنا تو مارے ہنسی کے اس کا

بُرا حال ہو گیا ــــ معروف بھی پھر خوب ہنسا۔ اس کے بعد شہزادی نے کہا۔" یہ تو سب ٹھیک ہے لیکن بادشاہ سُنے گا تو کیا کہے گا ــــ وزیر تو اور بھی ناراض ہوگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ پھر یہ لوگ تم کو جان سے مار ڈالیں گے اور تم سوچو کہ اگر تم نہ رہوگے تو میری جان کس کام کی۔ میں تو بے موت مر جاؤں گی۔ اب بہتر ہے کہ تم یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔ اس درمیان میں، میں کوشش کروں گی کہ کوئی ایسی ترکیب ہو جائے کہ اس معاملے کو ٹھیک کر دوں۔ اب تم مجھ سے کچھ دینار لے لو اور ایسی کسی جگہ چلے جاؤ جہاں میں تم کو برابر خبر بھیج سکوں۔"

معروف نے کہا ــــ" یہ بالکل ٹھیک ہے۔ میری پیاری بیوی! جیسا تم کہو میں ویسا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔"

اگلے روز صبح کو شہزادی نے ایسا انتظام کیا کہ تڑکے اُٹھتے ہی وہ بڑا شاندار لباس پہن کر اور گھوڑے پر سوار ہوکر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جب بادشاہ نے دن کو دربار لگایا تو شہزادی کو وہاں بلایا گیا۔ بادشاہ نے کہا۔" بیٹی! یہ تو بتاؤ کہ تم نے معروف سے کیا باتیں کیں۔ اس کے قافلے کے بارے میں بھی کچھ پتا چلا؟"

شہزادی نے کہا۔" مجھے اس وقت آپ کے سامنے

بات کرتے ہوئے، بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "کیوں کیا بات ہے؟"

شہزادی نے کہا۔ "آپ کو اپنے وزیر پر اتنا بھروسہ ہے کہ آپ اس سے ہر بات کہتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ آپ کے وزیر کا یہ حال ہے کہ وہ ہر قیمت پر میرے شوہر کو آپ کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے۔"
یہ کہہ کر شہزادی زرا سی دیر کے لیے خاموش ہو گئی، اس کے بعد بولی۔ "اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ سچائی معلوم کریں تو سنیے۔ میرے شوہر نے جو بات کہی ہے اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔ اب رات کی بات یہ ہے کہ جیسے ہی میرا شوہر کمرے میں داخل ہوا، اتنے میں نوکروں نے ایک خط لاکر دیا۔ یہ خط دس غیر ملکی سوداگر لے کر آئے تھے۔ معروف نے یہ خط پڑھا اور لاپرواہی سے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ میں نے جو پڑھا تو پتا چلا کہ یہ خط اس قافلے کے امیر کا لکھا ہوا تھا، جس کا میرا شوہر کتنے دنوں سے انتظار کر رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ڈاکوؤں نے قافلے پر حملہ کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے قافلے کو دیر ہو گئی تھی۔ لیکن قافلے کے لوگوں نے بڑی بہادری سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ کئی دنوں تک لڑائی ہوتی رہی۔ پھر ان لوگوں نے ڈاکوؤں کو مار بھگایا۔ اب قافلہ پھر روانہ ہوا۔ لیکن چند روز بعد پھر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ قافلے کے لوگوں

نے اُن کا مقابلہ کیا۔ لیکن ڈاکو دو سو اونٹوں اور قیمتی سامان کی چار سو گانٹھوں کو لوٹ کر لے گئے ـــــ یہ خبر کتنی پریشانی کی تھی لیکن میرے شوہر نے ہنستے ہوئے اس خط کو پھاڑ دیا، اور ان آدمیوں سے بات بھی نہیں کی اور مجھ سے کہا۔" چار سو گانٹھوں اور دوسواونٹوں کی ایسی کون سی بڑی بات ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ نو لاکھ دینار کا نقصان ہوا۔ تاہم ہماری شہزادی کے لیے اس کی کیا اہمیت ہے۔ البتہ پریشانی کی جو بات ہے وہ یہ کہ باقی سامان لانے کے لیے مجھے کچھ دن کے لیے اپنی شہزادی کو چھوڑ کر جانا ہے۔ یہ کہہ کر وہ کپڑے بدل کر باہر چلے گئے اور جب میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو وہ دس سوداگروں کے ساتھ گھوڑے پر جارہے تھے۔"

یہ قصّہ سُنانے کے بعد شہزادی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے روتے ہوئے کہا۔" ابا جان! اب آپ ہی بتائیں کہ اگر اس وقت میں کہیں آپ کے وزیر کے کہنے کے مطابق اس سے پوچھ لیتی تو میری زندگی تباہ و برباد ہوجاتی اور کیا آپ سوچتے ہیں کہ پھر وہ میرے اوپر بھروسہ کرتے۔ وہ مجھ سے محبت کرتے؟ سچ سچ! مجھے تو خدا نے بچا لیا ورنہ آپ کے وزیر نے تو میری زندگی برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

یہ کہہ کر شہزادی روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ یہ

تم نے تو اپنے جھوٹ کو سچ کر دکھایا۔"

معروف نے آہستہ سے کہا ــــــ "میرے دوست! میں کل تم سے ملنے گھر آؤں گا تو تم کو سارا قصہ سناؤں گا۔"

اب معروف کی سواری محل کی طرف روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچا تو بادشاہ نے اسے اپنے گلے سے لگایا اور ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے تخت کے پاس بٹھایا۔ اب معروف نے حکم دیا کہ سونے، چاندی اور ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگا دیے جائیں۔ ذرا سی دیر میں ڈھیر لگنا شروع ہو گئے۔ معروف نے مٹھی بھر بھر کر لوگوں کو دینا شروع کیا۔ اس نے محل کی تمام عورتوں کو قیمتی موتیوں کے ہار اور جواہرات دیے۔ ایک بھیڑ لگ گئی اور معروف دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دیتا رہا۔ بادشاہ نے کہا۔ "بیٹے! بس کرو ورنہ یہ سب ختم ہو جائے گا۔"

معروف نے کہا۔ "جہاں پناہ! میرے پاس اتنی دولت ہے کہ جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ آپ بے فکر رہیں۔"

ذرا سی دیر میں وزیر آیا اور اس نے پوچھا۔ "جہاں پناہ! تمام خزانے بھر گئے ہیں۔ اب ان میں جگہ نہیں ہے۔ اور ابھی بہت سا خزانہ باہر پڑا ہے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "محل کے بڑے کمرے میں لے جا کر رکھ دو۔"

معروف نے کہا۔ "اگر بادشاہ ... نہ ہوں تو محل کے ہر کمرے میں ان کو جگہ جگہ سجا کر رکھ دو۔ میرے

نہ ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ معروف نے کہا۔" بھائی! میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ میرا گھوڑا بھی ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں کوئی انتظام کروں گا۔"

کسان نے کہا۔" حضور مجھے موقع دیجیے کہ میں روکھی سوکھی جو کچھ ہے، آپ کے سامنے پیش کروں۔ جہاں تک گھوڑے کا تعلق ہے، اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ میں اپنے مہمان کی خاطر نہ کر سکوں۔"

معروف نے کہا۔" لیکن یہ گاؤں تو سامنے ہے۔ میں خود بازار جاکر کھانا خرید لیتا ہوں۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔"

کسان نے کہا۔" یہ تو بہت چھوٹا گاؤں ہے۔ یہاں بازار کہاں ہے۔ ہمارے گھر تو خود اوپلوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اتنے غریب لوگوں کے لیے کون بازار بنائے گا۔ بس ہم لوگ تو کسی نہ کسی طرح گزر کر لیتے ہیں — میری آپ سے درخواست ہے کہ آج آپ ہمارے یہاں مہمان رہیں۔"

جب معروف نے دیکھا کہ کسان اتنا زور دے رہا ہے تو وہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور کسان کی جھونپڑی کے سامنے بیٹھ گیا۔ کسان بڑی تیزی سے دوڑا ہوا گیا، اور معروف سوچنے لگا۔" بیچارہ کتنا مصیبت کا مارا ہے۔ اس کی حالت بالکل ویسی ہی ہے، جیسی کبھی میری تھی؛ جب میں

دیکھنا تھا کہ بادشاہ وزیر پر چیخا ——— "کمبخت دیکھا تو نے کیا کیا؟ تو میرے داماد پر بلا وجہ شبہ کر رہا ہے۔ اب اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکالا، تو تیری زبان کھینچ لوں گا۔ تجھے شرم نہیں آتی، ایسی بُری بات کہتے ہوئے جو آدمی نو لاکھ دینار کے نقصان کا خیال نہ کرے، اس کے بارے میں یہ سوچنا بھی جُرم ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

اب اِدھر معروف کا یہ حال تھا کہ وہ شہزادی سے رخصت ہو کر چل تو پڑا تھا لیکن خود اسے نہیں معلوم تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے کبھی گھوڑے کی سواری نہیں کی تھی، اِس لیے اسے اور بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ جلدی میں اپنے ساتھ کھانے کے لیے بھی کچھ لے کر نہیں چلا تھا۔ شام تک مارے بھوک کے اس کی حالت خراب ہو گئی۔ آخر ایک گاؤں میں پہنچا ——— وہاں ایک کسان کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ یہ وہاں پہنچا تو کسان اس کو دیکھ کر ڈر گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "آئیے حضور! آج ہمارے یہاں مہمان رہیے ——— آپ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ بادشاہ کے آدمی ہیں۔" لیکن معروف نے اس کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ یہ بیچارہ کسان غریب آدمی ہے۔ اس پر بوجھ

کا رگڑنا تھا کہ اکدم سے جیسے انگوٹھی کے نگ سے آواز آئی۔ "میں یہاں ہوں —— میں یہاں ہوں۔ مجھے مت رگڑو۔ تم کیا چاہتے ہو؟ تمھیں خزانہ چاہیے؟ مال و دولت چاہیے؟ کسی بادشاہ کو ہرانا چاہتے ہو؟ تم جو چاہو گے، میں کروں گا۔ تمھاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ میں پہاڑوں کو اِدھر سے اُدھر کرسکتا ہوں۔ دریاؤں کے رُخ کو موڑ سکتا ہوں۔ شہر کو بسا اور بگاڑ سکتا ہوں۔ بس تم رگڑو مت۔ میں تمھارا غلام ہوں۔"

معروف نے اُنگلی پر سے دوسرا ہاتھ اٹھا لیا اور بولا۔

"تم کون ہو؟"

"میں اس انگوٹھی کا جن ہوں اور جس کی انگلی میں یہ انگوٹھی ہوتی ہے، اسی کا غلام ہوں۔ میرے لیے کوئی کام مشکل نہیں —— میں جنوں کے بہتّر خاندانوں کا حاکم ہوں۔ وہ سب میرا حکم مانتے ہیں۔ میرے لیے کوئی کام ناممکن نہیں۔ ان بہتّر خاندانوں کے ہزاروں لاکھوں جن ہیں۔ یہ سمجھو کہ یہ سب میرے قبضے میں ہیں لیکن اگر تم دوبارہ اس انگوٹھی کو رگڑو گے تو میں جل کر بھسم ہو جاؤں گا۔ اور پھر ہمیشہ کے لیے تم مجھے کھو دو گے۔"

معروف نے کہا۔ "اے جنوں کے بادشاہ! تم بے فکر رہو۔ تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا، جس سے تم کو تکلیف پہنچے۔ لیکن

یہ بتاؤ کہ تمھارا اس انگوٹھی سے کیا تعلق ہے۔"

جن نے کہا۔" اے مالک! یہ محل جس میں آپ کھڑے ہیں شدّاد کا محل ہے۔ یہ انگوٹھی اسی کی ہے، اس کے اندر جو عمل لکھا ہے، میں اس کی بدولت اس میں رہتا ہوں۔ اگر آپ اس کو رگڑیں گے تو عمل کے الفاظ مِٹ جائیں گے اور میں ختم ہو جاؤں گا۔"

معروف کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اس نے کہا۔" اے جن! کیا تم اس محل کے تمام خزانے اُٹھا کر زمین پر رکھ سکتے ہو کہ اس میں سے کچھ بھی یہاں نہ بچے؛ اور اگر ایسا کر سکتے ہو تو فوراً یہ کام کرو۔"

جن نے کہا۔" میں ایک پل بھر میں یہ کام کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر جن نے ایک آواز لگائی اور زرا سی دیر میں سارا خزانہ کھیت کے پاس رکھا ہوا تھا۔ معروف بہت خوش ہوا اور اس نے کہا۔" اے جن! میں چاہتا ہوں کہ سارا خزانہ اونٹوں پر لادا جائے اور پھر اسے ختن پہنچایا جائے۔ زرا سی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ سیکڑوں اونٹ سونے، ہیرے، جواہرات کے بوروں سے لدے ہوتے ہیں۔ معروف نے کہا۔" بھائی جن! اب ایک کام اور کرو۔ مجھے ایک ہزار اونٹوں کی ضرورت ہے۔ اس پر ہندوستان، چین، ایران کے بہترین ریشمی کپڑے لدے ہوں۔ طرح طرح کے قالین، اور دُنیا کا بہترین

کپڑا ہو۔" ابھی اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہاں ایک ہزار اونٹ آ گئے۔ اور ایک پورا قافلہ تیار ہو گیا۔ جب یہ سب سامان تیار ہو گیا تو معروف نے کہا۔ "اب ایک خوبصورت خیمہ تیار کرو اور اس میں میرے کھانے کے لیے بہترین کھانا لگا دو۔"

زرا سی دیر میں خیمہ تیار ہو گیا۔ اب وہ بڑے شان سے خیمے کے اندر داخل ہوا۔ جیسے ہی وہ کھانے کے لیے بیٹھا، اس کی نظر سامنے کسان پر پڑی جو کھانا لیے چلا آرہا تھا۔ اس کے سر پر دال کی ہانڈی تھی، جسے اس نے خالص تیل میں پکایا تھا۔ بغل میں روٹیاں اور پیاز تھی اور بائیں ہاتھ میں گھوڑے کے لیے چارا تھا۔ اس نے جو یہ قافلہ دیکھا تو دنگ رہ گیا، اور اس خیمے کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یقیناً بادشاہ سلامت کی سواری آ گئی ہے۔ اور وہ آدمی یقیناً بادشاہ کا بھیجا ہوا ہے اس کو اپنے اوپر غصہ آیا کہ اس نے کیوں نہ اپنی مرغیاں ذبح کیں۔ اب بادشاہ کے آدمی کے لیے یہ دال لے کر آیا ہوں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی دونوں مرغیوں کو پکڑنا چاہا۔ معروف نے کہا۔" اس آدمی کو لے کر میرے پاس آؤ۔"

وہ غلام جو خیمے کے پاس کھڑے تھے، اس کسان کو سامنے لائے۔ معروف نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور اسے گلے لگا لیا۔ اور بولا۔" میرے بھائی! یہ بتاؤ

میرے کھانے کے لیے کیا لاتے ہو۔"

کسان نے جو معروف کی محبت دیکھی اور اس کی زبان سے اپنے لیے بھائی کا لفظ سُنا تو اس کی آنکھ میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا۔" میرے آقا! مجھے معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ مجھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ ہمارے یہاں بادشاہ سلامت مہمان ہیں اور میری جھونپڑی کی قسمت کھُل گئی ہے تو میں پہلے ہی اپنی دونوں مرغیوں کو ذبح کر دیتا اور پھر گھی میں پکاتا ــــ لیکن آپ سمجھتے ہیں غریبی انسان کی عقل چھین لیتی ہے۔ اور وہ اندھا ہوجاتا ہے۔"

معروف نے جب کسان کی طرف غور سے دیکھا تو اُسے اپنا پُرانا زمانہ یاد آگیا، جب وہ موچی کا کام کرتا تھا۔ وہ زمانہ یاد کرکے معروف کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُس نے کہا۔" میرے بھائی میں بادشاہ نہیں ہوں۔ ہاں میں بادشاہ کا داماد ضرور ہوں۔ میرے اور بادشاہ کے درمیان کچھ ایسی بات ہو گئی کہ میں نے محل چھوڑ دیا۔ اب اس نے اپنے نوکروں اور غلاموں کو مجھے بُلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اب میں اپنے یہاں واپس جارہا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے، میں اس کا بدلہ دوں گا۔ تم فکر مت کرو۔ اب تمھاری غریبی کا زمانہ ختم ہوگیا ہے۔ اس نے کسان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور اس سے کہا۔

" یہ کھانا تم کھاؤ ــــ میں تمھارا لایا ہوا کھانا کھاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے دال روٹی اور پیاز کو خوب مزے لے لے کر کھایا اور کسان کو وہ کھانا کھلایا جو جن نے لا کر رکھا تھا۔

جب وہ کھانا کھا چکے تو معروف کسان کو لے کر قافلے کے پاس آیا اور بولا۔ "میرے بھائی! تم جو پسند کرو، ان میں سے دو دو اونٹوں، دو دو گھوڑوں، دو دو خچروں کو لے لو۔ یہ تمہاری ملکیت ہے۔ ان پر جو دولت لدی ہوئی ہے وہ تمہاری ہے۔ اس کے علاوہ وہ شاندار خیمہ بھی تمہارا ہے جس میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا تھا۔ کسان نے وہ تمام چیزیں لیں۔ اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

اب معروف قافلے کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچا تو اس نے کچھ ہرکاروں کو گھوڑوں پر پہلے سے بھیجا تاکہ وہ بادشاہ کو اس کے آنے کی اطلاع دے دیں۔ جب وہ لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو وہاں وزیر کہہ رہا تھا ــــــ "بادشاہ سلامت! اب آپ اور زیادہ دھوکے میں مت رہیے۔ شہزادی صاحبہ بات بنا رہی ہیں ورنہ سچ تو یہ ہے کہ معروف راتوں رات بھاگ گیا ہے اور اب وہ کبھی واپس نہ آئے گا، کیونکہ اس کے جھوٹ کی قلعی کھل گئی ہے۔"

بادشاہ کو وزیر کی بات کا کچھ یقین بھی ہو گیا تھا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اتنے میں معروف کے ہرکارے وہاں پہنچ گئے اور بولے۔" بادشاہ سلامت! ہم آپ کے لیے خوش خبری لائے ہیں۔ آپ کے داماد امیر معروف آ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ قافلہ بڑا ہے اور سامان بہت ہے، اور اونٹوں پر لدا ہوا ہے، اس لیے وہ ذرا دیر سے پہنچیں گے۔"

یہ سُن کر بادشاہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ لیکن اس کو وزیر پر بہت غصہ آیا۔ اور اس نے کہا۔" تم دھوکے باز ہو، دور ہو جاؤ میری نظروں سے — تم میرے داماد کے دشمن ہو " وزیر بادشاہ کے قدموں میں گر پڑا۔ لیکن بادشاہ اسے ٹھوکر مار کر آگے بڑھا اور اس نے حکم دیا کہ" اسی وقت سارا شہر سجایا جائے۔ میں خود اس کا استقبال کرنے کے لیے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اسے خوشخبری سُنائی۔ لیکن قافلے کی بات سُن کر وہ گھبرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ اس لیے کہ وہ اس حقیقت کو جانتی ہی تھی اور اب وہ اس جھوٹ میں وہ بھی شریک ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ کیا معروف نے بادشاہ کو بیوقوف بنانے کے لیے کوئی اور ترکیب کی ہے یا پھر اس نے میری محبت کو آزمانے کے لیے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ میں غریب آدمی ہوں۔

شہزادی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ سچی بات کیا ہے۔

پھر بھی اس نے بادشاہ کے سامنے کوئی بات ظاہر نہ کی۔ بلکہ بڑی خوش ہو کر بولی۔ "ابا جان! میں بھی آپ کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے چلوں گی۔"

جب شہر کو معروف کے استقبال کے لیے تیار کیا گیا۔ سارے شہر میں رونق ہو گئی ہر طرف چہل پہل تھی۔ البتہ علی سوداگر سخت حیران ہوا۔ اس لیے اس کو تو سارا حال معلوم تھا۔ اس نے کہا۔" یہ کیا قصہ ہے۔ معروف موچی کے قافلے کی کہانی تو خود میری اپنی گھڑی ہوئی ہے۔ قافلے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ قافلے کا کیا قصہ ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بار کوئی بڑا کھیل کھیلا ہے۔ خدا کرے کہ یہ سچ ہو اور میرے دوست کی عزت آبرو بچ جائے۔"

علی سوداگر بھی معروف کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ ذرا سی دیر میں قافلہ شہر میں داخل ہوا۔ علی سوداگر کی نظر جب معروف پر پڑی تو وہ دنگ رہ گیا۔ وہ تو بڑے شاہانہ لباس میں تھا اور آگے پیچھے غلام سوار تھے اور ہزاروں کی تعداد میں اونٹ تھے۔ علی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور موقع پاکر معروف کے پاس پہنچ گیا۔ معروف نے اسے دیکھ کر گھوڑا روکا۔ اور سلام کیا۔ علی سوداگر نے آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا ——— "میرے بھائی! یہ کیا تماشا ہے؟ تم سچ مچ اب جھوٹوں کے بادشاہ ہو گئے۔

موچی کا کام کرتا تھا۔" پھر اس نے سوچا کہ اتنی دیر میں کیوں نہ اس کے کھیت کو کچھ جوت دوں۔

یہ سوچ کر وہ اسی لباس میں کھیت میں پہنچا اور اس نے بیلوں کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور ہل چلانا شروع کر دیا۔ ابھی وہ دو چار قدم ہی بڑھا تھا کہ اکدم سے اس کا ہل کسی چیز سے ٹکرایا۔ اور ایک آواز سی ہوئی۔ بیلوں نے بڑی کوشش کی، لیکن ہل اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

معروف نے ہاتھوں سے ہل کو دوسری طرف کیا اور بیلوں کو الگ کھڑا کر دیا اور اس پتھر کو اپنے ہاتھوں سے کھسکایا۔ جیسے ہی پتھر ہٹا، کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک سیڑھی ہے۔ معروف نے جلدی جلدی سے سیڑھی سے اترنا شروع کیا۔ ارے وہاں تو ایک شاندار محل ہے! اور چار بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں سونے کا ڈھیر ہے۔ دوسرے میں موتیوں کا، تیسرے میں جواہرات بھرے ہوئے ہیں ـــــ اور چوتھا کمرہ جو سب سے خوبصورت تھا اس میں ایک جڑاؤ صندوق ہے۔ معروف نے جو اس صندوق کو کھولا تو اس میں ایک بڑی چمکدار انگوٹھی نظر آئی۔ معروف نے اس سے پہلے کبھی ایسی انگوٹھی نہ دیکھی تھی۔ اس نے وہ انگوٹھی اٹھا کر اپنی انگلی میں پہن لی۔ اس نے پہنتے ہی اس کے نگ کو کپڑے سے رگڑا۔ اس

لیے اس وقت ایسی معمولی چیز کے بارے میں سوچنے کے لیے فرصت نہیں۔ میرے لیے تو یہ کنکر پتھر ہیں۔"

وزیر تو چلا گیا۔ اور بادشاہ حیرت میں تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اس کے بعد معروف محل میں گیا۔ شہزادی اسے دیکھ کر تیزی سے دوڑی اور بولی۔" کیا تم نے مجھ سے مذاق کیا تھا جو مجھ سے یہ کہا تھا کہ قافلہ کا سارا قصہ جھوٹا ہے اور تم دراصل ایک غریب موچی ہو۔ آخر یہ قافلہ اتنی دولت کے ساتھ کہاں سے آیا؟"

معروف نے کہا۔" تم پریشان مت ہو، میں تم کو اطمینان سے ساری کہانی سناؤں گا۔ تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ اس کے بعد معروف نے اسے ایک بڑا قیمتی ہار تحفے کے طور پر دیا۔ جس میں بہترین ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے تھے، اور اس میں بارہ بڑے قیمتی موتی پڑے تھے جو شاید ہی اس سے پہلے کسی نے دیکھے ہوں۔

شہزادی خوشی کے مارے چیخنے لگی اور بولی۔" میں اسے خاص خاص موقعوں پر پہنا کروں گی۔"

معروف نے کہا۔" تم اس کی فکر مت کرو۔ میں تم کو ایک سے ایک قیمتی ہار دوں گا۔"

ابھی معروف اور شہزادی میں بات ہو رہی تھی کہ

اکدم سے بادشاہ گھبرائے ہوئے محل میں داخل ہوئے۔
معروف نے پوچھا۔" آپ کی پریشانی کی کیا بات ہے؟"
بادشاہ نے کہا کہ" ایک بہت عجیب سی بات یہ ہوئی کہ تمام اونٹ، گھوڑے، خچر اور ان کے ساتھ جو آدمی تھے وہ سب اچانک غائب ہو گئے کہ اُن کے نام و نشان بھی کہیں نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چڑیاں اُڑ گئی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیا قصہ ہے۔"
معروف نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔" آپ اطمینان رکھیں ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے ــــ ان کے غائب ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بس یوں سمجھیے کہ گویا سمندر سے ایک قطرہ کم ہو گیا اگر میں چاہوں تو ابھی ایسے کتنے قافلے یہاں بُلا سکتا ہوں۔"
یہ سُن کر بادشاہ اور بھی حیرت میں رہ گیا۔ اس نے اپنے وزیر سے کہا۔" تم اس بات پر غور کرو کہ آخر میرا داماد کتنا طاقتور ہے کہ اس کی دولت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔"
وزیر، امیر معروف سے دل میں ناراض تو تھا ہی اُس نے سوچا کہ میرے بدلہ لینے کے لیے اس سے اچھا کوئی اور موقع نہیں ملے گا۔ اس وقت کچھ کرنا چاہیے۔ اس نے کہا۔
" جہاں پناہ! میں آپ کو اس معاملے میں کیا رائے دوں۔

پھر بھی میری رائے یہ ہے کہ معروف کو خوب شراب پلائیے اور جب خوب نشے میں آجائے تو اس سے پوچھ لیجیے وہ نشے میں صحیح بات بتا دے گا۔ اور آپ کو اس کی دولت کا بھید معلوم ہو جائے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔" یہ ترکیب ٹھیک ہے۔"

جب شام ہوئی تو بادشاہ نے وزیروں اور امیروں کو دعوت دی اور معروف کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ شراب کا دور چلا۔ بادشاہ اور وزیر نے بڑی چالاکی سے معروف کو خوب شراب پلائی۔ اتنی پلائی اتنی پلائی کہ معروف کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے معروف سے کہا۔" میرے بیٹے! تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ تم نے اپنی زندگی میں اتنی ترقی کیسے کی اور پہلے تم کیا کیا کام کرتے تھے۔"

معروف تو نشے میں تھا اس کو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کو یہ بھی تمیز نہ تھی کہ کون سا ہاتھ دایاں ہے اور کون سا بایاں ــــــ اس نے اپنی زندگی کا سارا قصہ سُنایا کہ کیسے وہ قاہرہ میں جوتے کی مرمت کا کام کرتا تھا اور اس کی بیوی فاطمہ نے اس کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا ــــــ آخر اس نے وہ شہر چھوڑا اور پھر کس طرح اس نے قافلے کا فرضی قصہ گھڑا اور جب حالات خراب ہو گئے تو کس طرح محل چھوڑ کر

چلا گیا تو ایک گاؤں پہنچا۔ وہاں ایک کھیت کے نیچے ایک محل ملا اور محل کے اندر خزانے اور ایک صندوق میں انگوٹھی ـــــ اور یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہے۔"

وزیر نے پوچھا کہ" انگوٹھی کی بدولت کیسے ؟"

معروف نے انگوٹھی کے بارے میں سب کچھ بتایا۔ وزیر چالاک تو تھا ہی، اس نے موقع سے فائدہ اٹھاکر اس سے کہا ـــــ" شہزادے! ذرا میں بھی تو انگوٹھی دیکھوں"

معروف نے انگوٹھی اُتار کر وزیر کے حوالے کردی. انگوٹھی کا وزیر کے ہاتھ میں آنا تھا کہ وزیر نے اُسے رگڑا۔ جیسے ہی رگڑا، انگوٹھی سے آواز آئی ـــــ" میں یہاں ہوں ـــــ میں یہاں ہوں ـــ مجھے مت رگڑو۔ تم کیا چاہتے ہو؟ تمھیں خزانہ چاہیے؟ مال و دولت چاہیے؟ کسی بادشاہ کو ہرانا چاہتے ہو۔ تم جو چاہو گے، کروں گا۔ تمھاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ میں پہاڑوں کو اِدھر سے اُدھر کر سکتا ہوں۔ دریاؤں کے رُخ کو موڑ سکتا ہوں۔ شہروں کو بسا اور بگاڑ سکتا ہوں۔ بس تم رگڑو مت۔ میں تمھارا غلام ہوں۔"

وزیر نے کہا ـــــ" اے انگوٹھی کے غلام! تم اس وقت اس ذلیل بادشاہ اور اس کمبخت موچی کو یہاں سے اٹھاکر لے جاؤ اور انھیں ایک ایسے ریگستان میں ڈال دو، جہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہ ہو، تاکہ یہ

پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔"

اس کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ بادشاہ اور معروف وہاں سے غائب ہو گئے۔ وزیر نے دربار لگانے کا حکم دیا۔ ذرا سی دیر میں دربار جم گیا۔ دربار کے سامنے وزیر نے اعلان کیا —— "پرانے بادشاہ اور اس کے داماد کو ملک سے نکال باہر کر دیا ہے اور آج سے اس سر زمین پر میری حکومت ہے اور اگر کوئی شخص مجھے بادشاہ نہیں مانے گا تو اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔"

پھر وزیر نے محل میں کہلا بھیجا کہ شہزادی سے کہو کہ آج سے میں یہاں کا بادشاہ ہوں اور تم میری ملکہ ہو۔ اور میں ابھی آتا ہوں۔"

شہزادی نے پہلے ہی یہ خبر سن لی تھی کہ وزیر نے کس طرح معروف سے انگوٹھی لی اور اس کی مدد سے بادشاہ اور معروف کو یہاں سے نکالا ہے۔ اس نے وزیر سے کہلا بھیجا۔ "آپ شوق سے تشریف لائیں، شہزادی آپ کی منتظر ہے۔"

جب وزیر محل کے اندر داخل ہوا تو شہزادی بڑے شاندار لباس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بڑھ کر وزیر کا استقبال کیا —— لیکن پھر اکدم سے چیخ اٹھی جیسے ڈر گئی ہو۔

وزیر نے گھبرا کر پوچھا۔ "میری ملکہ! کیا بات ہے کیوں ڈر گئی۔"

شہزادی نے کہا۔ "یہ دیکھو یہاں کون کھڑا ہے اس کو سامنے سے ہٹاؤ۔"

وزیر نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولا۔ "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اس انگوٹھی کا جن ہے۔"

شہزادی نے کہا۔ "ارے باپ رے جن ——— اس کو میرے سامنے سے ہٹاؤ۔ میں جن سے ڈرتی ہوں۔"

وزیر نے یہ دیکھ کر کہ شہزادی ڈر رہی ہے، اپنی اُنگلی سے انگوٹھی کو اُتارا اور تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

جیسے ہی وزیر نے انگوٹھی کو تکیے کے نیچے رکھا، اور پلٹا۔ شہزادی نے بڑے زور سے وزیر کے لات ماری۔ پاس ہی سیڑھی تھی۔ وزیر سیڑھی سے لڑھکتا ہوا نیچے گرا، اور اس نے تیزی سے انگوٹھی کو اُنگلی میں پہن لیا، اور انگوٹھی کو رگڑا۔ جن نے کہا ——— "میں یہاں ہوں ——— میں یہاں ہوں ——— مجھے مت رگڑو ——— تم کیا چاہتی ہو تمھیں خزانہ چاہیے؟ مال و دولت چاہیے؟ کسی بادشاہ کو ہرانا چاہتی ہو؟ تم جو چاہوگی، کروں گا۔ تمھاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ میں پہاڑوں کو اِدھر سے اُدھر کر سکتا ہوں۔ دریاؤں کے رُخ کو موڑ سکتا ہوں۔ شہروں کو بسا اور بگاڑ سکتا ہوں۔ بس تم رگڑو مت۔ میں تمھارا

غلام ہوں۔"

شہزادی نے اس کو حکم دیا کہ اس بدمعاش وزیر کو فوراً قید خانے میں بند کردو۔ اور میرے باپ اور شوہر کو فوراً یہاں لے آؤ۔"

اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ جیسے کسی نے وزیر کو اُٹھا کر وہاں سے غائب کر دیا بادشاہ اور معروف وہاں سامنے آ گئے۔ بادشاہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا اور معروف کا نشہ بھی اب اُتر گیا تھا ——— بھوک اور پیاس کے مارے دونوں کا بُرا حال تھا۔ شہزادی دونوں کو کھانے کے کمرے میں لے گئی اور اس نے اُن کو بتایا کہ کس طرح اس نے وزیر کو قید کیا اور اس سے نجات حاصل کی ہے۔

بادشاہ نے کہا ——— "میں ابھی اس کو زندہ جلانے کا حکم دیتا ہوں۔"

معروف نے کہا ——— "لاؤ میری انگوٹھی واپس کرو ———"

شہزادی نے کہا ——— "میں اب یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھوں گی۔ کیونکہ تم اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ میں اس کو احتیاط سے رکھوں گی۔"

معروف نے بھی یہ بات مان لی۔ اس کے بعد وزیر کو زندہ جلا دیا گیا ——— اور بادشاہ اور معروف ہنسی

جل کر حکومت کرنے لگے ۔ شہزادی اپنے شوہر معروف سے بہت خوش تھی۔ معروف نے بھی اپنی باقی زندگی بڑے عیش و آرام سے گزاری اور پھر اسے کبھی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہ پڑی۔

سندباد جہازی

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں بغداد میں ایک بہت غریب مزدور رہتا تھا۔ اس کا نام تھا ہندباد۔ یہ بیچارا روزانہ مزدوری کرتا اور اپنا پیٹ پالتا۔ ایک روز بڑے زور کی گرمی پڑ رہی تھی۔ وہ ایک بھاری بوجھ سر پر اٹھائے چلا جارہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک جگہ ایسی دکھائی دی، جہاں ہر طرف چھڑکاؤ ہو رہا تھا اور پاس ہی گلاب کی خوشبو آرہی تھی۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے اپنا بوجھ اُتار کر سستانے کے لیے بیٹھ گیا۔ اس کو سامنے ایک بڑا عالیشان محل نظر آیا۔ اس سے گانے بجانے کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ ایک سے ایک اچھے کھانے کی خوشبو آرہی تھی۔ اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کے سامنے کچھ نوکر بڑی اچھی پوشاک پہنے کھڑے ہیں، ہندباد نے اُن سے پوچھا: "یہ کس کا محل ہے۔؟"

ایک نوکر نے کہا "تم بغداد میں نئے نئے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو، جو سندباد جہازی کو نہیں جانتے۔ یہ سندباد جہازی

کا محل ہے، جس نے ساتوں سمندروں کی سیر کی ہے اور خدا نے کیا چیز ہے جو اُسے نہیں دی ہے۔"

ہندباد نے پہلے بھی سندباد جہازی کا نام سُنا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا " اے خدا! ایک سندباد جہازی ہے اور ایک میں ہوں۔ کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اس میں ایسی کون سی بات ہے جو مجھ میں نہیں کہ میں اتنی مصیبت کے دن گذار رہا ہوں۔ دن بھر محنت کرتا ہوں، تب جاکر اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔"

ابھی وہ بڑبڑا ہی رہا تھا۔ محل کے اندر سے ایک نوکر آیا اور بولا " ارے بھائی! ہمارے مالک سندباد جہازی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سُن کر ہندباد ڈر گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں بلاوجہ کیا بکنے لگا۔ اب تو شاید سندباد مجھے سزا دے گا۔ شاید اس نے میری بات سُن لی۔ ہندباد نے کہا " میں اپنا بوجھ چھوڑ کر کہاں جاؤں؟"

سندباد کے ملازم نے کہا " تم اس کی فکر مت کرو۔ یہاں اس کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ موجود ہیں۔

بمجبوراً ہندباد اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ آدمی اس کو محل کے اندر لے گیا۔ وہ اُسے ایک بڑے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے میں ایک میز بچھی ہوئی تھی، جس پر قسم قسم کے کھانے

لگے تھے۔ میز کے چاروں طرف کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کُرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جو بڑے زرق برق کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی داڑھی سفید اور لمبی تھی۔ اس کے پیچھے بہت سے نوکر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ یہ سِند باد جہازی تھا۔

ہند باد نے اس کے سامنے آتے ہی ادب سے سر جھکا لیا۔ سِند باد نے اسے بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا اور اسے کھانے کے لیے کہا۔

جب وہ کھانا کھا چکا تو سِند باد نے پوچھا" میرے بھائی تم کیا کام کرتے ہو؟"

"میرا نام ہند باد ہے" اس نے جواب دیا" میں ایک غریب مزدور ہوں۔"

سِند باد نے کہا" مجھے تم کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ہاں یہ بتاؤ تم باہر کیا کر رہے تھے؟"

ہند باد نے کہا" مجھ سے غلطی ہوئی اور میں شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیا۔"

سِند باد نے کہا" معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمھاری تکلیف کا اندازہ ہے۔ البتہ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ میں نے یہ ساری دولت بغیر محنت کے اکٹھا کی ہے۔ تم غلطی پر ہو۔ میں نے اتنی تکلیف اُٹھائی ہے کہ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ دھن دولت کا خیال بھی چھوڑ دیتا۔

میں تم سب کو اپنے ساتوں سفروں کا حال سُنانا چاہتا ہوں۔

پہلا سفر

میرے باپ نے میرے لیے اچھی خاصی دولت چھوڑی۔ لیکن جوانی میں مجھے کسی چیز کا شوق نہ تھا۔ میں نے عیش و عشرت اور تفریحات میں بہت روپیہ خرچ کر ڈالا۔ آخر ایک روز یہ خیال آیا کہ مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے ورنہ یہ ساری دولت ختم ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر میں نے جو کچھ باقی بچا تھا، اسے اکٹھا کیا اور کچھ سوداگروں سے بات چیت کر کے سامان خریدا اور ان کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔ ہم نے اس جہاز سے بہت سے علاقوں کی سیر کی، بہت سے جزیروں میں گئے۔ کچھ اپنا سامان بیچا اور کچھ دوسروں کا سامان خریدا۔ اچانک ہی ہم کو ایک بہت ہی صاف ستھرا جزیرہ نظر آیا۔ ہم نے جہاز کے کپتان سے اجازت لی کہ کچھ وقت اس جزیرے میں گزاریں۔ ہم لوگ وہاں اتر کر خوب رنگ رلیاں منا رہے تھے، مزے مزے کی چیزیں کھا رہے تھے۔ اچانک ہمیں ایسا لگا کہ جیسے زمین پر کوئی زلزلہ آگیا ہو۔ ہمارے کچھ ساتھی جہاز پر رہ گئے تھے، انھوں نے ہمیں پکارا۔ "ارے بھائی! جلدی سے جہاز پر آجاؤ، ورنہ ڈوب جاؤ گے" دراصل جسے ہم جزیرہ سمجھ رہے تھے وہ جزیرہ نہیں تھا بلکہ ایک بہت بڑی وھیل مچھلی تھی۔ جب ہم لوگوں نے

اس کی پیٹھ پر آگ جلائی تو اس کو گرمی محسوس ہوئی اور وہ تیزی کے ساتھ پانی کے اندر چلی گئی۔ دوسرے ساتھی تو کود پھاند کر کسی طرح نکل گئے لیکن میں وہیں رہ گیا۔ جہاز تو جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ اتفاق سے ایک بہت تیز لہر آئی اور مجھے بہاکر لے گئی اور مجھے ایک کنارے پر ڈال دیا۔ میں یہاں بہت دیر تک مُردے کی طرح پڑا رہا۔ جب ذرا کچھ طاقت آئی تو وہاں سے اُٹھ کر کھانے پینے کی تلاش میں نکلا۔ میں جنگل میں مارا مارا پھرتا رہا، جو ملتا کھاتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جاؤں۔ اتنے میں مجھے ایک آدمی نظر آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا "تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟"

میں نے انھیں اپنی مصیبت کا حال سُنایا اس پر وہ آدمی بولا۔ "ہم بادشاہ کے سائیس ہیں۔ ہم لوگ سال میں ایک بار یہاں گھوڑوں کو چرانے آتے ہیں۔ کل یہاں سے اپنے شہر چلے جائیں گے۔ اگر تم آج ہمیں نہ ملتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔"

اگلے روز وہ لوگ مجھے اپنے یہاں لے آئے اور انھوں نے مجھے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ جب بادشاہ نے میرا حال سُنا تو اسے بڑا ترس آیا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا "اس پردیسی کا خاص طور پر خیال رکھا جائے اور اُسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔"

اب میں نے وہاں کے سوداگروں کے ساتھ دوستی کرلی۔

اس جزیرے میں ہر ملک کے جہاز آتے تھے۔ میں بھی جزیرے کے ساحل پر چلا جاتا اور یہاں مجھے دنیا بھر کے سوداگروں سے ملنے کا موقع ملتا۔

ایک روز بندرگاہ میں ایک جہاز آکر رُکا۔ اس میں سے جہازیوں کے سامان اُترنا شروع ہوئے۔ کچھ بنڈلوں پر جب میری نظر پڑی تو اُن پر اپنا نام دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ میں نے کپتان کو بھی پہچان لیا کہ یہ اُسی جہاز کا کپتان تھا جس پر میں بصرے سے چلا تھا۔

میں نے کپتان سے پوچھا "یہ کس کا نام ہے؟"

کپتان نے کہا "ہمارے جہاز میں سِندباد نامی ایک سوداگر تھا جو بغداد کا رہنے والا تھا۔ ایک دن ہم نے جزیرے کے کنارے لنگر ڈالا تو سِندباد اور دوسرے جہازی اس جزیرے پر اُترے لیکن در اصل وہ جزیرہ نہ تھا بلکہ ایک وھیل مچھلی تھی جو سمندر کے کنارے سو رہی تھی۔ جیسے ہی لوگوں نے اس کی پیٹھ پر آگ جلائی وہ مچھلی جاگ گئی اور تیرتی ہوئی سمندر کے اندر چلی گئی۔ کئی آدمی ڈوب گئے۔ ان میں بیچارا سِندباد بھی تھا۔ یہ سارا سامان اس بیچارے کا ہے۔ میں نے سوچا کہ اسے بیچ کر، جو روپیہ ملے اُسے لے جاکر اُس کے بال بچّوں کو دے دوں۔

میں نے کہا "جسے تم مُردہ سمجھ رہے ہو، وہ مرا نہیں۔ میں ہی سِندباد ہوں اور یہ تمام سامان میرا ہے۔"

کپتان نے کہا" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اُسے ڈوبتا دیکھا ہے۔" میں نے جب پہلے پہل تم سے بات کی تو یہ سمجھا کہ تم بڑے ایماندار ہو۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

میں نے کہا ———" میرے بھائی ناراض مت ہو۔ پہلے میری بات تو سُن لو۔"

تب میں نے شروع سے آخر تک ایک ایک بات بتائی کہ کس طرح میری جان بچی اور میں کس طرح بادشاہ کے سائیسوں کے ساتھ یہاں پہنچا۔ اس درمیان میں جہاز کے کچھ اور لوگ بھی آگئے اور انھوں نے مجھے پہچان لیا۔ تب جہاز کے کپتان نے مجھے سینے سے لگایا اور کہا" خدا کا شکر ہے کہ تمھاری جان بچ گئی۔ لو اب اپنا سامان لو۔"

اب میں نے اپنا سامان قبضے میں کیا۔ جو جو چیزیں اچھی اور قیمتی تھیں انھیں لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور تحفے کے طور پر پیش کیں اور اُسے بتایا کہ کس طرح میرے ساتھی مل گئے۔ بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور اس نے مجھے بہت سازوسامان انعام کے طور پر دیا۔

جب میں بادشاہ سے رخصت ہوا تو میں نے بہت سی چیزیں خریدیں جو ہمارے مُلک میں نہیں ملتیں۔ یہاں سے میں جہاز سے مختلف جزیروں پر ہوتا ہوا آیا۔ اس سفر میں میں نے

بہت دولت کمائی، یہاں تک کہ اس خوشی میں میں اپنی ساری تکلیف بھی بھول گیا۔

جب سند باد اپنے پہلے سفر کا حال بیان کر چکا تو اس نے نوکر سے کہا کہ ہند باد کو سو دینار کی ایک تھیلی پیش کرو۔ اس کے بعد ہند باد سے کہا کہ "تم اپنے گھر جا سکتے ہو۔ اب کل پھر آنا۔ میں تم کو اپنے اگلے سفر کا حال سناؤں گا۔

ہند باد بڑی خوشی خوشی گھر پہنچا۔ اس کے گھر کے لوگوں نے اتنی دولت اس سے پہلے کہاں دیکھی تھی وہ تو پھولے نہیں سمائے۔

اگلے دن ہند باد اچھے اچھے کپڑے پہن کر سند باد کے محل میں آیا۔ پہلے دن کی طرح سب نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ جب کھانا کھا چکے تو سند باد نے کہا "دوستو! اب میں تم کو اپنے دوسرے سفر کا حال سناتا ہوں۔"

دوسرا سفر

"پہلے تو میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اپنی باقی زندگی بغداد میں گزاروں گا۔ لیکن اس کو کیا کروں کہ میرا ہر وقت یہی جی چاہتا تھا کہ سفر کروں اور دنیا دیکھوں۔ آخر مجھ سے نہیں رہا گیا اور ایک دن میں سامان لے کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں جہاز سے ایک شہر سے دوسرے شہر میں گھومتا پھرتا

رہا۔ اب میرا کام یہی تھا کہ اپنا سامان بیچوں اور دوسرا خریدوں
ایک دن ہمارے جہاز نے ایک ایسی جگہ لنگر ڈالا، جہاں نہ کوئی آدم نہ آدم زاد ــــــ البتہ ہر طرف طرح طرح کے پھل دار درخت نظر آ رہے تھے۔ ہمارے ساتھی تو پھل توڑنے میں لگے ہوئے تھے بس میں اکیلا تھا اور ایک طرف چپ چاپ اپنا کھانا لے کر چلا گیا۔ جب میں کھانا کھا چکا تو مجھے نیند آگئی۔ مجھے یہ پتا نہیں کہ میں کتنی دیر سویا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ جب میری آنکھ کھلی تو وہاں جہاز کا نام و نشان نہ تھا۔ میں اِدھر اُدھر دوڑتا رہا کہ کہیں کوئی نظر آجائے لیکن مجھے بہت جلد یقین ہوگیا کہ یہ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں ایک بہت اونچے پیڑ پر چڑھ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ شاید دور سے کوئی دکھائی دے جائے۔ کچھ دور پر مجھے ایک سفید سا نشان نظر آیا۔ میں پیڑ سے اُتر کر سیدھا اس کے پاس پہنچا۔ مگر یہ تو ایک بڑی سی سفید گیند تھی۔ یہ اتنی اونچی اور اتنی چکنی تھی کہ اس پر چڑھنا تقریباً ناممکن تھا۔

جب شام ہوئی تو مجھے ایسا لگا، جیسے کوئی بادل چھا گیا ہو۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ یہ ایک بہت بڑا پرندہ تھا جو میری طرف اُڑا چلا آرہا تھا۔ لیکن دراصل یہ میری طرف نہیں اُڑ رہا تھا بلکہ یہ اکدم سے آکر اس سفید سی گیند پر بیٹھ گیا۔ تب مجھے

اندازہ ہوا کہ یہ گیند نہیں تھی بلکہ اسی پرندے کا انڈا تھا۔ میں انڈے کے نیچے بیٹھ گیا تھا اور پرندے کے پنجے بالکل میرے سر کے اوپر تھے۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو اس پرندے کے پنجوں سے باندھ لیا۔ یہ سوچ کر کہ جب یہ اُڑے گا تو میں اس کے ساتھ اُڑ جاؤں گا۔ اور ہوا بھی یہی۔ اگلے دن جب پرندہ اُڑا تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے اُڑا۔ یہ خوب اُونچا اُڑا، اتنا اونچا، اتنا اونچا کہ پھر زمین بھی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ کچھ دور اس طرح اُڑنے کے بعد ایک بار پھر اس نے نیچے اُترنا شروع کیا۔ اب زمین دکھائی دینے لگی۔ یہاں تک کہ وہ ایک وادی کے اوپر اُڑنے لگا۔ ایک بار جو وہ زمین پر ایک سانپ کو پکڑنے کے لیے اُترا تو موقع پاکر میں نے اپنے آپ کو کھول لیا اور یہاں اُتر پڑا۔ یہ دو پہاڑیوں کے بیچ کی وادی تھی۔

یہ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ یہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ چمک دار پتھروں کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، جب میں نے ایک پتھر کو اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ہیرا ہے۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ لیکن یہ خوشی زیادہ دیر کی نہ تھی کیونکہ زرا سی دیر میں پتا چلا کہ یہاں تو ہر طرف سانپ ہی سانپ ہیں۔ یہ سانپ دن کو چھپ جاتے تھے اور جہاں رات ہوئی نکل پڑتے تھے۔ میں بڑا پریشان ہوا لیکن ڈھونڈتے ڈھونڈتے مجھے ایک ٹھکانا مل گیا۔ جہاں رات ہوئی، میں اسی جگہ آکر

اپنے آپ کو بند کر لیتا اور صبح کو نکل پڑتا۔ ایک صبح کو کیا دیکھتا ہوں کہ اوپر سے گوشت کے لوتھڑے آ کر گر رہے تھے۔ اب مجھے یاد آیا بغداد میں، میں نے سُنا تھا کہ ایک جگہ ہے جسے "ہیروں کی وادی" کہتے ہیں۔ وہاں سانپ بہت ہوتے ہیں۔ یہاں سوداگر آتے ہیں۔ وہ پہاڑی کے اوپر سے گوشت کے ٹکڑے پھینکتے ہیں ان میں ہیرے چپک جاتے ہیں۔ جب عقاب وغیرہ ان گوشت کے ٹکڑوں کو اپنی چونچ میں لے کر اپنے گھونسلے میں آجاتے ہیں تو یہ سوداگر اُن کو اُڑا کر گوشت میں سے ہیرے نکال لیتے ہیں۔ تب مجھے یقین آگیا کہ یہ ہیروں کی وادی ہے جس میں میں آکر پھنس گیا ہوں۔ مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ پہلے تو میں نے تمام ہیروں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ میرے پاس ایک تھیلا تھا، میں نے اس میں بہت سے ہیرے بھر لیے۔ اُس کے بعد ایک بڑا سا گوشت کا لوتھڑا اپنے چاروں طرف لپیٹ لیا اور اپنی پگڑی سے مضبوطی سے باندھ لیا اور زمین پر پڑ گیا۔ جب عقاب اُڑتے ہوئے آئے تو ان لوتھڑوں پر جھپٹے۔ ایک عقاب میری طرف بھی جھپٹا اور اس نے مجھے دلوچ لیا اور لے کر اُڑا۔ جب وہ اپنے گھونسلوں کی طرف آئے تو مجھے بہت سے آدمی نظر آئے، جنھوں نے شور مچا کر عقابوں کو اُڑا دیا۔ مجھے دیکھ کر پہلے تو یہ لوگ ڈرے لیکن پھر میں نے انھیں اطمینان دلایا کہ " تم گھبراؤ مت۔ میں تو خود مصیبت زدہ ہوں۔ میرے پاس بہت سے ہیرے ہیں۔ میں تم کو

دوں گا۔ اور میرے پاس تو ایسے ہیرے ہیں کہ تم نے کبھی دیکھے بھی نہ ہوں گے۔" یہ کہہ کر میں نے تھیلے میں سے بڑے بڑے ہیرے دکھائے اور پھر اپنی رام کہانی انھیں سُنائی اور کچھ ہیرے ان کو بھی دیے۔

ان سوداگروں پر میری باتوں کا بہت اثر ہوا۔ ان کے ساتھ پھر وہاں سے روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ہمیں ایک بستی نظر آئی۔ یہاں میں نے کچھ سامان خریدا اور بندرگاہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں مجھے بصرہ کے لیے ایک جہاز مل گیا۔ اس جگہ سے میں بغداد واپس آگیا۔"

اس طرح سِندباد کا دوسرا سفر ختم ہوگیا۔ اس نے پھر اپنے آدمیوں سے کہا کہ ہند باد کو سو دینار کی ایک تھیلی دو۔ اور ہند باد سے کہا "کل پھر آنا — تو اگلے سفر کا حال سُناؤں گا۔"

اگلے دن ہند باد پھر آیا تو لوگ اسے اسی کمرے میں لے آئے۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو سِند باد نے اپنے تیسرے سفر کا حال اس طرح بیان کیا۔

تیسرا سفر

"تھوڑے دنوں کے بعد میں پھر سفر کی ساری تکلیفیں بھول گیا۔ یہاں پڑے پڑے میرا جی گھبرایا اور سوچنے لگا کہ پھر سفر کروں۔ میں نے جلدی جلدی تجارت کا سامان خریدا

اور ایک بار پھر بصرہ سے ایک جہاز میں بیٹھ کر چل پڑا۔ کچھ دنوں تک تو جہاز چلتا رہا۔ لیکن اچانک ایک دن سمندر میں ایک بڑا زبردست طوفان آیا۔ جہاز ہچکولے کھانے لگا۔ ہم کو تو بچنے کی اُمید نہ رہی۔ لیکن پھر سمندر کی لہر نے ہمارے جہاز کو ایک جزیرے کے پاس لاکر ڈال دیا۔ یہ ایک خوفناک قسم کے بونوں کا جزیرہ تھا۔ ہمارے کپتان نے کہا "دیکھو ان بونوں سے ہرگز ہرگز مت لڑنا ورنہ ہم میں سے کسی کو جیتا نہ چھوڑیں گے۔" یہ لوگ سیکڑوں کی تعداد میں آگئے اور ذرا سی دیر میں جہاز پر چڑھ گئے۔ یہ لوگ ہمیں ایک بہت بڑے محل کے اندر لے گئے اور لے جاکر ایک بڑے کمرے میں بند کردیا۔ یہاں ہر طرف انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔ اب ہم کو معلوم ہوا کہ ہم کس مصیبت میں پھنسے ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا دیو داخل ہوا۔ اس نے ہم سب کو ایک ایک کرکے پکڑا اور سب کے جسم کو ٹٹولا اور اس کے بعد جہاز کے کپتان کو اٹھایا۔ یہ خوب موٹا تازہ تھا۔ اس نے کپتان کو آگ پر خوب اچھی طرح بھونا۔ وہ بیچارا چیختا رہا یہاں تک کہ مرگیا۔ پھر دیو نے ہمارے سامنے نوچ نوچ کر کھا ڈالا، اور وہیں پڑ کر سو گیا۔ اب اس کا روز کا قاعدہ تھا کہ وہ اسی طرح آتا اور ایک آدمی کو بھون کر کھا لیتا۔ ہم لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ بچنے کی کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ ایک بار ہم

کو موقع ملا اور ہم نے چپ چاپ نکل کر لکڑی کی کشتیاں بنائیں تاکہ اکدم سے موقع پاکر نکل سکیں۔ اس روز دیو جب ایک آدمی کو کھا کر سویا تو ہم نے جلدی جلدی ایک ایک لمبے کی سلاخ لی اور اس کو آگ سے اچھی طرح گرم کرکے اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ وہ اندھا ہوگیا، چیختا رہا لیکن کر بھی کیا سکتا تھا۔ ہم لوگ جلدی جلدی نکل کر بھاگے اور سمندر کے کنارے اپنی کشتیوں کے پاس آگئے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اندھا اپنے جیسے بہت سے دیوؤں کو ساتھ لیے آرہا ہے۔ ہم لوگ جلدی جلدی اپنی کشتیوں میں سوار ہو گئے اور تیزی سے چلے۔ اس درمیان میں دیو کنارے پر آگئے اور انھوں نے ہم پر بڑے بڑے پتھر پھینکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری کچھ کشتیاں اُلٹ گئیں۔ ہمارے بہت سے ساتھی ڈوب گئے، جس کشتی پر میں سوار تھا، بس وہ بچ گئی۔ ہم نے جلدی جلدی اپنی کشتی تیزی سے چلائی اور دور نکل گئے۔ کئی دنوں اور کئی راتوں کے بعد ہم کو ایک جگہ زمین دکھائی دی۔ ہم وہاں اُتر گئے۔ ہر طرف پھل اور پھول نظر آئے۔ ہم بھوکے تو تھے ہی۔ جلدی جلدی ہم نے پھل توڑ کر کھانے شروع کر دیے۔ جب رات ہوئی تو ہم کو نیند آگئی۔ اچانک ایک سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہاں ایک سانپ تھا اور یہ سانپ اتنا لمبا تھا جتنا کہ ایک کھجور کا پیڑ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم وہاں

سے بھاگیں اُس نے ہمارے ایک ساتھی کو پکڑ لیا اور اُسے نگل لیا۔ اب ہم دو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ہم لوگ جلدی جلدی ایک پیڑ پر چڑھ گئے اور چڑھتے ہوئے اس کی سب سے اونچی شاخ پر پہنچ گئے۔ سانپ اب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اکدم سے میرے دوسرے ساتھی پر حملہ کیا۔ یہ بیچارا زرا نیچے والی شاخ پر تھا۔ اس نے اسے دبوچ لیا اور نگلتا ہوا دوسری طرف چل دیا۔

میں صبح تک اسی پیڑ سے چمٹا رہا۔ صبح کو جب نیچے دیکھ لیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے تو اُترا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میری آدھی جان نکل گئی ہے۔ میں نے چاروں طرف لکڑی کا ڈھیر جما دیا اور اس ڈھیر کے چاروں طرف کانٹے لگا دیے۔ جب رات ہوئی تو پھر میں لکڑیوں کے ڈھیروں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ زرا سی دیر کے بعد وہی سانپ آیا۔ وہ اس کے چاروں طرف چکر لگاتا رہا لیکن اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پھر وہ مجبور ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ میں ساری رات سو نہیں سکا۔ اس طرح دو راتیں جاگتے گذریں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ میں نے سوچا کہ اس زندگی سے تو موت ہی اچھی ہے۔ میں سمندر کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میں سمندر میں چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ میری نظر دور سمندر میں پڑی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جہاز آرہا ہے۔ میں خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ میں نے

زور زور سے چلّانا شروع کیا جہاز والوں نے مجھے دیکھ لیا اور میری طرف آئے۔ ذرا سی دیر کے اندر میں جہاز پر تھا۔ یہ لوگ مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ میں نے جب ان کو اپنا حال سُنایا تو انھیں مجھ سے بڑی ہمدردی ہوئی۔

ایک دن کپتان نے مجھے بلایا اور کہا ــــــــ

"بھائی میں ایک سوداگر سِندباد کا سامان بیچتا چلا آرہا ہوں، جو مرگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا حساب کر کے اس کے گھر والوں کو دے دوں۔ ذرا تم اس کام میں میری مدد کردو۔"

میں نے حیرت سے کپتان کی طرف دیکھا۔ یہ میرے دوسرے سفر کا کپتان تھا جو مجھے سوتا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔ ہم لوگوں کی شکلیں کافی بدل گئی تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ "میں ہی سِند باد ہوں۔ جسے تم سوتا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔" اس نے اب مجھے پہچانا اور بڑی معافی مانگی اور سارا سامان اور روپیہ پیسہ میرے حوالے کیا۔ مجھے اس کی ایمانداری سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے بعد ہم اِدھر اُدھر گھومتے روپیہ پیسہ کماتے، ملک ملک کا سامان خریدتے ہوئے بصرہ پہنچے اور وہاں سے بغداد آئے۔"

سِند باد نے اپنے تیسرے سفر کا حال ختم کیا اور ہند باد کو سو دینار دے کر کہا ــــــــ "کل پھر آنا، تو تم کو چوتھے سفر کا حال سُناؤں گا۔"

اگلے دن جب ہند باد آیا تو اسے کھانے کے کمرے

میں لے گئے اور کھانا کھلانے کے بعد سند باد نے اپنے اگلے سفر کا حال اس طرح بیان کیا۔

چوتھا سفر

"کچھ دن گھر میں آرام اور چین کی زندگی گذارنے کے بعد میں سفر کی ساری تکلیفیں بھول گیا۔ اب پھر میرا جی چاہا کہ سفر کروں۔ میں نے جلدی جلدی کچھ سامان خریدا اور جہاز میں بیٹھ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔

ابھی ہمیں جہاز پر سفر کرتے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ اچانک سمندر میں بڑا زبردست طوفان آگیا۔ یہاں تک کہ ہمارا جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کتنے ہی آدمی ڈوب کر مر گئے۔

میں اور میرے ساتھ چند آدمی اس طرح بچ گئے کہ ہم نے ایک تختے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ہم لوگ اس تختے کے ساتھ بہتے بہتے ایک جزیرے میں آگئے۔ بھوک پیاس کے مارے ہمارا بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہاں پھلوں کے کچھ پیڑ نظر آئے۔ ہم نے توڑ توڑ کر پھل کھائے۔ اور پھر خوب مزے کی نیند سوئے۔ اگلے دن جب ہماری آنکھ کھلی تو ہم جزیرے کی سیر کرنے نکلے۔ ہمیں تھوڑی دور پر کچھ جھونپڑے نظر آئے۔

ہم بڑی خوشی خوشی آگے بڑھے۔ یہاں ہمیں کچھ جنگلی

آدمی نظر آئے۔ انھوں نے ہم کو گھیر لیا اور پکڑ کر اپنے یہاں لے گئے۔ پھر انھوں نے ایک عجیب طرح کا اشارہ کیا۔ ہمارے لیے خاص قسم کا کھانا چُنا گیا۔ ہمارے ساتھیوں نے اس کو خوب مزا لے لے کر کھایا۔ مجھے شک ہوگیا کہ ضرور اس کھانے میں کچھ نہ کچھ ملا ہوا ہے۔ اور سچ مچ ہوا بھی یہی۔ ذرا سی دیر میں ان لوگوں کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ناریل کے تیل میں ایک خاص طریقے سے چاول پکائے اور ہمارے ساتھیوں کو کھلائے۔ اس کا کھانا تھا کہ ان سب کے جسم پھول گئے۔ میں نے اُس کو چکھ کر چھوڑ دیا۔ اب یہ لوگ میرے تمام ساتھیوں کو کھانے لگے۔ میں اتنا دُبلا ہو گیا تھا کہ میری کھال ہڈیوں سے لگ گئی۔ ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا۔ ڈر کے مارے کچھ نہ کھاتا۔ روز بروز دُبلا ہوتا چلا جاتا تھا۔ آخر ایک روز موقع پاکر میں وہاں سے نکل بھاگا اور چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچا۔ وہاں مجھے کچھ گورے رنگ کے آدمی نظر آئے۔ وہ لوگ یہاں کالی مرچیں چُن رہے تھے۔ انھوں نے عربی زبان میں پوچھا "تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اپنے ملک کی زبان سُن کر میں پھولا نہ سمایا۔ میں نے انھیں اپنا سارا حال سُنایا۔ انھوں نے میرے ساتھ بڑی ہمدردی کی۔ پھر وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ مجھے بادشاہ کے دربار

میں پیش کیا۔ یہاں کا بادشاہ بہت اچھا تھا۔ اس نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ میں اپنی ساری تکلیفیں بھول گیا۔

یہاں رہ کر مجھے ایک بات سے بڑی حیرت ہوئی یہاں لوگ گھوڑے پر سواری تو کرتے لیکن کوئی بھی زین اور لگام وغیرہ کا استعمال نہ جانتا تھا۔ میں نے ایک دن بادشاہ سے اس کا ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ "ہم نے زین اور لگام کا نام بھی نہیں سُنا"

پھر میں نے ایک کاریگر کو سمجھا کر اس سے ایک کاٹھی بنوائی۔ اس پر چمڑا مڑھوایا اور اس کے بعد رکابیں اور لگام بنوائی۔ جب یہ سب کچھ تیار ہوگیا تو اسے لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کو نذر کے طور پر پیش کیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور اس نے شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے میری شادی کردی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ بڑے مزے کی زندگی گذارنے لگا، بس کبھی کبھی مجھے اپنا گھر یاد آتا۔

ایک دن کیا ہوا کہ میرے دوست کی بیوی مرگئی۔ میں اس کے گھر گیا۔ وہ بڑی بُری طرح رو رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا "بھائی صبر کرو۔ اپنی جان کھونے سے کوئی فائدہ نہیں"

اس نے رو کر کہا "میری زندگی کا بس ایک گھنٹہ اور رہ گیا ہے۔ اس مُلک کے دستور کے مطابق یہ

لوگ مجھے بھی میری مردہ بیوی کے ساتھ دفن کردیں گے۔" یہ سُن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ اتنے میں لوگ آئے اور جنازے کے انتظامات کرنے لگے۔ انھوں نے عورت کی لاش کو ایسا سجایا جیسے اُسے دلہن بنا رہے ہوں۔ اس کو سارے زیورات پہنا دیے۔ پھر اس کے شوہر نے کالے کپڑے پہنے اور جنازے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اسے پانی کا ایک گلاس دے کر گڑھے کے نیچے اتار دیا۔ پھر اس گڑھے کو پتھر سے بند کردیا گیا۔

میرے اوپر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے بادشاہ سے اس کا ذکر کیا۔ بادشاہ نے کہا " میں کیا کرسکتا ہوں۔ اس ملک کا یہی دستور ہے، اگر میری بیوی مرجائے گی تو مجھے بھی اس کے ساتھ دفن کردیں گے۔"

میں نے پوچھا " کیا پردیسیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

بادشاہ نے کہا " اگر وہ یہاں کی عورت سے شادی کرلیں تو اُن کو بھی یہاں کے قانون ماننے پڑیں گے۔"

تم لوگ سوچ سکتے ہو کہ اس کے بعد میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ اتفاق کی بات دیکھیے کہ ایک دن میری بیوی بھی مرگئی۔ اس کے جنازے میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے تمام لوگوں نے شرکت کی۔ لیکن میں تو اپنی مصیبت میں مبتلا تھا۔ میں نے بہت کچھ لوگوں کو سمجھایا کہ میں پردیسی

ہوں۔ مجھے اس عورت کے ساتھ مت دفن کرو۔ مگر وہ نہ مانے اور انھوں نے مجھے سات روٹیاں اور پانی کا ایک گلاس دے کر دفن کر دیا۔ اس قبر میں ہر طرف اندھیرا اور بدبو تھی۔ میں چند روز تک اس میں پڑا رہا۔ آخر ایک روز مجھے کچھ سرسراہٹ سی سُنائی دی۔ دیکھا تو ایک جانور جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ میں جلدی سے اٹھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے ایک ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ کوئی سُرنگ ہے۔ میں اس سُرنگ کے راستے پر چل پڑا، چلتے چلتے یہ راستہ ایسی جگہ نکلا، جہاں سے مجھے سمندر دکھائی دینے لگا۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔ میں پھر وہیں واپس آیا اور میں نے جلدی جلدی مُردوں کی لاشوں سے تمام زیور اُتارے اور انھیں لے کر پھر سمندر کے کنارے آیا۔ میں دو ایک روز تو کسی نہ کسی طرح پھل کھا کر گذر کرتا رہا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جہاز اُدھر سے گذر رہا ہے۔ میں نے اپنی پگڑی اُچھال اُچھال کر اور چیخ چیخ کر ان کو بلایا جہاز کے لوگوں نے مجھے دیکھ لیا اور وہ میرے پاس آگئے۔ میں اب اطمینان سے جہاز میں بیٹھ گیا۔ جب میں نے لوگوں کو اپنا حال سُنایا تو ان کو مجھ سے اور ہمدردی پیدا ہوئی۔ پھر اس جہاز نے مجھے بصرہ میں چھوڑا اور وہاں سے میں بغداد آیا۔"

سندباد نے اس طرح اپنے چوتھے سفر کا حال ختم کیا اور ہندباد کو ایک سو دینار دے کر کہا "کل پھر آنا تو میں اپنے پانچویں سفر کا حال سناؤں گا۔"

اگلے دن پھر سندباد نے کھانا کھلانے کے بعد اپنے پانچویں سفر کا حال سُنایا۔

پانچواں سفر

"میں کچھ دنوں بڑے مزے میں رہا لیکن زمین پر رہتے رہتے تھک گیا تو میں نے سوچا کہ ایک سفر اور کرنا چاہیے۔ اس بار میں نے اپنا جہاز بنوایا اور کچھ سوداگروں اور سامان کو لے کر روانہ ہو گیا۔

کچھ دنوں کے سفر کے بعد ہم ایک ریگستان میں پہنچے۔ یہاں ہم نے ویسا ہی انڈا دیکھا جیسا میں نے اپنے دوسرے سفر میں دیکھا تھا۔ میرے ساتھیوں نے اس انڈے کو توڑ ڈالا۔ اس میں بچّہ تیار ہو چکا تھا اور ایک آدھ روز بعد خود نکلنے والا تھا۔ لیکن ہمارے ساتھیوں نے اسے پہلے ہی توڑ ڈالا۔ اس کے بعد اس کے گوشت کو خوب مزا لے لے کر کھایا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ جیسے کسی بادل نے آکر اندھیرا کر دیا ہو۔ ہمارے کپتان نے کہا "بھاگو! بھاگو! اس بچے کے ماں باپ اُڑے چلے آ رہے ہیں۔ یہ ہم کو جیتا نہ چھوڑیں گے۔"

ہم لوگ بھاگ کر اپنے جہاز پر چلے گئے اور کپتان

نے جلدی سے جہاز کو چلادیا۔ یہ پرندے پہلے تو واپس چلے گئے لیکن پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ آ گئے اور ان کی چونچ میں ایک ایک چٹان کا ٹکڑا تھا۔ انھوں نے ہمارے جہاز پر جو چٹان کا ٹکڑا گرایا تو جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سارے جہازی ڈوب کر مر گئے۔ بس میں اکیلا بچا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مجھے ایک تختہ مل گیا۔ میں اسے پکڑے پکڑے سمندر کے کنارے آگیا۔ یہ ایک جزیرہ معلوم ہوتا تھا۔ میں اس جزیرہ پر سیر کرتا ہوا چلا جارہا تھا کہ اتنے میں مجھے ایک بوڑھا نظر آیا۔ ایک کسان کو دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ اس نے مجھے اشارے سے بلایا۔ اور اس طرح اشارہ کیا گویا وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھاکر نالا پار کرادو۔ میں نے اس کو اپنے کندھوں پر چڑھالیا اور جب نالا پار کرلیا تو اسے اُتارنا چاہا۔ لیکن وہ اُترنے کو تیار نہ ہوا بلکہ اُلٹا اس نے اپنی لمبی لمبی ٹانگوں سے میری گردن کو اس طرح پھانس لیا کہ میرا دم گھٹنے لگا۔ وہ مجھے لیے لیے پھرتا رہا پھل توڑ کر کھاتا۔ رات کو سوتا تو اسی طرح لٹاکر کہ اس کی ٹانگیں میرے گلے میں پھنسی رہیں۔ میں اس کی سواری کا کام کرتا —— ایک دن مجھے سوکھے کدّو کا خول ملا۔ میں نے اس خول میں بہت سے انگوروں کا رس نچوڑ نچوڑ کر بھر دیا۔ اسے میں نے کچھ دنوں کے لیے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی شراب بن گئی۔ میں نے یہ شراب

پی تو مجھے بڑا مزا آیا اور اس بوڑھے کی سواری کے باوجود میں ناچنے لگا۔ بوڑھے نے مجھ سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ میں نے اسے وہی شراب دی اسکو جو مزا آیا تو اس نے جو کچھ باقی تھا، سب پی ڈالا۔ اسے جو نشہ چڑھا تو وہ جھومنے لگا۔ اس کے پاؤں ڈھیلے ہو گئے۔ میں نے موقع پا کر اس کو پٹک دیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اسے جان سے مار ڈالا۔ اور اس طرح اپنے آپ کو آزاد کرایا۔

وہاں سے میں سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ سمندر کے کنارے مجھے ایک جہاز نظر آیا۔ میں دوڑا دوڑا گیا۔ جہازیوں نے مجھے بلا لیا۔ کپتان نے جب میرا حال سُنا تو کہنے لگا "اچھا تم سمندر کے بوڑھے کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ کہتے ہیں اسے جو کوئی آدمی مل جاتا ہے، اس کی پیٹھ پر چڑھ کر چند روز میں اسے مار ڈالتا ہے۔"

اس کے بعد جہاز میں میری ایک سوداگر سے دوستی ہو گئی تھی۔ جب جہاز ایک ساحل پر رُکا تو اس نے مجھے ایک بورا دیا۔ جہاز کے اور لوگوں کے پاس بھی ایسے ہی بورے تھے۔ سوداگر نے کہا " تم اُن کے ساتھ چلے جاؤ اور جو کچھ یہ کریں تم بھی کرو۔ البتہ ان کا ساتھ مت چھوڑنا۔ ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

ان کے پیچھے پیچھے میں ایک ناریل کے درخت کے پاس آیا۔ اس کے اوپر بہت سے بندر بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے بندروں پر پتھر مارے۔ بندروں نے پیڑ پر سے ناریل

توڑ توڑ کر ہم کو مارنا شروع کیا۔ ہم لوگوں نے جلدی جلدی ناریل اپنے اپنے بوروں میں بھر لیے۔ان کو لے کر ہم شہر میں داخل ہوئے اور انھیں بازار میں بڑے اچھے داموں پر بیچا۔ اس طرح میں نے کافی روپیہ اکٹھا کیا۔ پھر میں نے اس سے اور سامان خریدا اور روپیہ کمایا۔ آخر ایک روز بصرہ آیا اور پھر بصرے سے بغداد پہنچا۔"

اس سفر کا حال سُنانے کے بعد اس نے ہندباد کو سو دینار کی ایک تھیلی دی اور کہا کہ "کل پھر آنا۔ چھٹے سفر کا حال سناؤں گا۔" اگلے دن ہندباد آیا اور پھر سِندباد نے چھٹے سفر کا حال شروع کر دیا۔

چھٹا سفر

"میں پانچویں سفر کے بعد ایک سال تک آرام و چین کی زندگی گزارتا رہا۔ آخر ایک دن مجھے پھر سفر کا خیال آیا۔ میں نے کچھ سامان اکٹھا کیا اور جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ یہ جہاز چلتا رہا۔ لیکن چند روز بعد جہاز بے قابو ہو گیا۔ کپتان نے کہا کہ "کوئی لہر جہاز کو بہائے لیے جا رہی ہے اور جہاز میرے قابو سے نکل گیا ہے اب بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔"

ہم نے جلدی جلدی چھوٹی کشتیاں اُتارنا چاہیں لیکن اتنے میں جہاز طوفانی لہروں سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا۔ لیکن ہم لوگ کنارے پر آ کر لگ گئے تھے۔ ہم نے اپنا کھانا

اور کچھ سامان بھی بچا لیا تھا۔ وہاں ہر طرف جہاز کے ٹکڑے اور سامان کی گانٹھیں تھیں۔ ہیرے، جواہرات بکھرے ہوئے تھے۔ اگر ہم کہیں ہیرے جواہرات کھا کر زندہ رہ سکتے تو پھر کوئی پریشانی کی بات نہ تھی۔ لیکن یہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ہمارے پاس کھانے کا بہت تھوڑا سامان تھا۔ ہم نے اپنا کھانا برابر سے بانٹ لیا۔ میں نے تھوڑا تھوڑا کھایا اس لیے میرا کھانا زیادہ دن چلا۔ اور لوگوں کے کھانے ختم ہوگئے۔ اب لوگ مرنا شروع ہوگئے یہاں تک کہ ایک ایک کرکے سب مرگئے۔ اور اب میری باری تھی۔ مجھے اچانک ایک جگہ ایک چھوٹا سا دریا دکھائی دیا۔ میں نے جلدی جلدی لکڑی کا ڈونگا بنایا۔ جب ڈونگا بن گیا تو وہ ایک طرف سے کچھ لٹکا سا تھا۔ میں نے کچھ سامان اکٹھا کیا۔ اس میں ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا سامان بھی تھا۔ میں اپنی کشتی چلاتا ہوا وہاں سے نکلا۔ کئی دن اور کئی راتیں گذر گئیں۔ میرا کھانا بھی ختم ہوگیا۔ مجھے جینے کی کوئی امید نہ رہی۔ اچانک اس تھکن میں مجھے نیند آگئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری کشتی ایک کنارے لگی ہوئی ہے اور کچھ آدمی میرے چاروں طرف کھڑے ہوئے ہیں۔

جیسے ہی میری آنکھ کھلی۔ مارے خوشی کے چیخنے لگا۔ پہلے میں نے سوچا کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ لیکن پھر ان لوگوں نے بتایا کہ یہ دریا نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہر

ہے جو ہم لوگوں نے نکالی ہے تاکہ اس کی مدد سے اپنے کھیتوں میں پانی دیں۔ ہم نے تمھاری کشتی آتی دیکھی تو ہم اسے کھینچ کر ادھر لے آئے اور انتظار کر رہے تھے کہ تم جاگ جاؤ تو تم سے بات کریں۔ اب یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئے۔

میں نے کہا "پہلے مجھے کھانے کو دو۔ میں مارے بھوک کے مرا جا رہا ہوں۔"

میں نے کھانا کھانے کے بعد اپنا سارا حال سُنایا۔ یہ جگہ سراندیپ تھی۔ ہر ایک نے میری بڑی خاطر مدارات کی اور مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے جب میرا حال سُنا تو اس نے اپنے خوشنویسوں سے کہا کہ "میری زندگی کے حالات کتابوں میں لکھیں تاکہ آگے چل کر نئی نسلوں کی ہمت بھی بڑھے۔"

میں نے اپنا سارا مال بادشاہ کو نذر کے طور پر پیش کیا لیکن بادشاہ نے کہا "تم جب اپنے وطن جانا تو یہ سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جانا۔"

میں نے کچھ دن وہاں بڑی اچھی طرح گذارے بلکہ اس نے مجھے بڑے تحائف بھی دیے۔ اس نے کچھ تحفے خلیفہ ہارون رشید کے لیے بھی دیے۔

وہاں سے پھر میں ایک جہاز سے بصرہ آیا اور بصرے سے بغداد آیا۔ میں نے خلیفہ کو سراندیپ کے بادشاہ کے تحفے بھی دے دیے۔"

سِند باد نے اس طرح اپنے چھٹے سفر کا حال ختم کیا اور ہند باد کو سو دینار کی تھیلی دے کر کہا کہ "کل پھر آنا تو تم کو اپنے آخری سفر کا حال سُناؤں گا۔"

ساتواں اور آخری سفر

اب میں نے طے کر لیا کہ باقی زندگی اپنے وطن میں گزاروں گا اور اب سمندر کے سفر پر نہ جاؤں گا۔ لیکن ایک دن خلیفہ ہارون رشید نے مجھے بُلایا۔

"سِند باد!" خلیفہ نے کہا "میں تم سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔ تم سراندیپ کے بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس کو ہمارے تحفے پیش کرو۔ اس لیے کہ اس نے بھی ہمیں تحفے بھیجے تھے۔"

میں نے کہا "امیرالمومنین" میں چھ بار سمندر کا سفر کر چکا ہوں اور اس سِلسلے میں میں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اب میں نے طے کر لیا ہے کہ سمندر کے سفر پر نہ جاؤں گا بلکہ اپنی باقی زندگی بغداد میں گذاروں گا۔"

پھر میں نے خلیفہ کو اپنے سفر کا حال سُنایا۔ خلیفہ نے کہا۔" سند باد! میں مانتا ہوں کہ تم نے بڑے بڑے خطرے مول لیے۔ لیکن میری خاطر ایک سفر اور کرو۔ اس لیے کہ میرے اوپر سراندیپ کے بادشاہ کے تحفوں کا بڑا بوجھ ہے اور یہ مجھ جیسے آدمی کی شان کے خلاف ہے۔ تم میرے

دوست کی طرح میری بات مان لو۔"

میں سمجھ گیا کہ خلیفہ یہ تحفہ بھیجنا ہی چاہتا ہے، اس لیے میں تیار ہو گیا۔ سفر کے لیے خلیفہ نے مجھے ایک ہزار دینار دیے۔ پھر خلیفہ نے تحفے تحائف دے کر مجھے سراندیپ کے بادشاہ کے نام ایک خط بھی دیا۔ یہ تمام تحفے اور خط لے کر میں سراندیپ پہنچا۔ بادشاہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے میرا بڑا شاندار استقبال کیا۔

میں نے خلیفہ کے شاندار تحفے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے پھر چند روز رہ کر میں یہاں سے رخصت ہوا۔ ابھی ہمارا جہاز زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ سمندری ڈاکوؤں نے ہمارے اوپر حملہ کیا۔ ان لوگوں نے ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا اور ہم کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا، اور دور ایک جزیرے میں لے جا کر بیچ دیا۔

مجھے ایک بڑے دولت مند سوداگر نے خرید لیا۔ ایک دن سوداگر نے مجھ سے پوچھا۔" تم کو تیر کمان چلانا آتا ہے۔"

میں نے کہا " میں نے بچپن میں تیراندازی سیکھی تھی۔"

اس نے مجھے تیر کمان لا کر دیا اور کہا کہ" پیڑ پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ اور جب ہاتھیوں کا جھنڈ اِدھر سے گزرے تو اس کو مارو۔ اگر کوئی ہاتھی گر پڑے تو مجھے خبر کر دو۔"

اس سوداگر نے مجھے کھانے کا کچھ سامان بھی دیا۔

اُس دن کوئی ہاتھی نظر نہ آیا۔ اگلے دن ایک جھنڈ

اُدھر سے گزرا۔ میں نے کئی تیر چلائے آخر میں ایک ہاتھی گر پڑا۔ باقی تمام ہاتھی بھاگ گئے۔ میں نے سوداگر کو آکر اطلاع دی۔ سوداگر نے اس ہاتھی کو ایک جگہ کھود کر دفن کردیا اور کہا کہ "اس کے سینگ بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ میں اس کے سینگ نکال کر بیچوں گا۔"

میں اب ہر روز اسی طرح دو مہینے تک ہاتھیوں کو مارتا رہا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ ہاتھیوں کا جُھنڈ چنگھاڑتا ہوا آرہا ہے۔ اس نے میرے پیڑ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ میں اتنا ڈر گیا تھا کہ میرے ہاتھ سے تیر کمان چھوٹ گئے۔ پھر سب ہاتھیوں نے مل کر اس پیڑ کو جس پر میں بیٹھا تھا گرا دیا۔ اور ایک ہاتھی نے مجھے اپنی سونڈ سے اُٹھا کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور مجھے لے چلا۔ یہاں سے وہ مجھے ایک پہاڑی پر لے کر آیا اور یہاں اس نے مجھے اُتار دیا۔

جب ذرا میرے ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دیکھا کہ وہاں ہر طرف ہاتھیوں کی ہڈیاں اور اس کے دانت بکھرے ہوئے تھے۔ اب مجھے پتا چلا کہ یہ ہاتھیوں کا قبرستان ہے۔ انھوں نے مجھے یہ جگہ اس لیے دکھائی تھی تاکہ میں انھیں نہ ماروں اور یہ ہڈیاں اور دانت اپنے کام میں لاؤں۔

میں وہاں سے بھاگتا ہوا اپنے مالک کے پاس آگیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ "میں تو سمجھا تھا کہ تم مر گئے۔ ہو۔ کیونکہ جب میں تم کو ڈھونڈتا ہوا جنگل میں گیا تو

وہاں پیڑ گرا ہوا تھا اور تمہارا تیر و کمان ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

میں نے سارا قصہ سُنایا اور اگلے دن سوداگر کو لے کر پہاڑی پر آیا۔ سوداگر یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس لیے کہ اس کو بہت سے ہاتھیوں کے ڈھانچے ملے۔ ہم لوگ ان کو لاد کر اپنے گھر لائے۔

سوداگر مجھ سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے مجھے رہا کر دیا اور کہا " میں تم کو بہت سا انعام بھی دوں گا۔"

میں نے کہا " میرا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ مجھے اپنے وطن جانے کی آزادی مل گئی۔"

سوداگر نے کہا کہ "اس بار جو جہاز یہاں سے ہاتھی دانت لینے آئے گا۔ میں اس میں تم کو بغداد بھجوادوں گا۔"

آخر ایک دن بصرے کا جہاز آگیا۔ سوداگر نے مجھے بہت سا ہاتھی دانت انعام کے طور پر دیا اور رخصت کیا۔ میں بصرے ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔ خلیفہ میری وجہ سے بہت پریشان تھے وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خلیفہ نے مجھے بہت انعام و اکرام دیا۔ پھر میں گھر آیا اور اس وقت سے یہاں آرام و چین کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

اس طرح سند باد نے اپنے ساتویں اور آخری سفر کا حال بیان کیا۔ پھر ہند باد سے کہا ـــــــ " میرے دوست!

کیا تم نے کبھی کِسی اور آدمی کا حال سُنا ہے جس نے مجھ سے زیادہ مصیبتیں جھیلی ہیں؟ اب اس کے بعد اگر میں آرام کروں تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟"

ہند باد نے اس کا ہاتھ چوما، اور کہا "آپ نے سچ مچ اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں کہ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ آپ ہر قسم کے عیش و آرام کے مستحق ہیں۔"

سِند باد نے ہند باد کو سو دینار اور دے دیے۔ اور اس کے بعد ہند باد بڑے مزے کی زندگی گزارنے لگا اور ہمیشہ سِند باد کو دعائیں دیتا۔

گاتا ہوا پیڑ اور سنہرا پانی

کہتے ہیں کسی زمانے میں ایران میں ایک بادشاہ تھا اس کا نام تھا: خسروِ شاہ ـــــــ یہ بادشاہ بہت منصف مزاج تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے راج میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ بادشاہ اپنی رعایا کو خوش دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ بعض اوقات رات کو بھیس بدل کر نکلتا اور اپنی رعایا کو قریب سے دیکھتا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ وہ رات کو شہر میں گھوم رہا تھا کہ اس کو ایک بہت ٹوٹے پھوٹے مکان سے لڑکیوں کے بات کرنے کی آواز سُنائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے کی دراز میں سے جھانک کر جو دیکھا تو اسے تین نوجوان لڑکیاں آپس میں بات چیت کرتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ تینوں بہنیں معلوم ہوتی تھیں اور سب کی سب بہت خوبصورت تھیں۔ لیکن ان میں سے سب سے چھوٹی جو تھی، اس کا تو کہنا ہی کیا ـــ

وہ چاند کی طرح دمک رہی تھی۔

بڑی بہن کہہ رہی تھی "آؤ، آج ہم سب اپنی اپنی خواہش بیان کریں کہ کون کیا ہونا چاہتی ہے۔ سب سے پہلے میں اپنی خواہش بیان کرنا چاہتی ہوں۔" لو سنو! تم سب جانتی ہو کہ مجھے مزیدار چیزوں کا شوق ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر روز ایک سے ایک اچھی مٹھائی کھانے کو ملے اور میں سمجھتی ہوں کہ بادشاہ کے حلوائی سے زیادہ اچھی مٹھائی کون کھلا سکتا ہے۔ بس میں اتنا جانتی ہوں کہ تم دونوں تو مجھے شاہی حلوائی کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے دیکھ کر جل مرد گی ــــــ میرے گالوں میں چمک پیدا ہو جائے گی اور میں آج سے بہت زیادہ خوبصورت لگوں گی۔"

اس بات کو سُن کر منجھلی بہن بولی ـــــــ "بہن! میری اتنی بڑی آرزو تو نہیں۔ ہاں اگر بادشاہ کا باورچی مِل جائے تو بس پھر مجھے کچھ اور نہیں چاہیے۔ میں تو بس روز شاہی کھانا کھایا کروں گی۔ ایک سے ایک مزیدار گوشت جب بادشاہ کے یہاں دعوت ہوتی ہے اور بادشاہ کے نوکر سینیوں میں طرح طرح کے کھانے لے جاتے ہیں، تو بس گویا میرے منھ سے رال ٹپکنے لگتی ہے۔ اس لیے اگر بادشاہ کے باورچی سے میری شادی ہوجاتے تو پھر مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ البتہ اگر میرا شوہر مجھے کچھ دے گا تو میں تم لوگوں کو بھی اس میں سے کچھ نہ کچھ بھیج

دوں گی۔"

اب دونوں بہنیں، سب سے چھوٹی بہن سے بولیں "اب تم بتاؤ کہ تمھاری کیا آرزو ہے۔ ہم نے تو اپنی اپنی بتادی۔ تم کیوں شرما رہی ہو۔ دیکھو جب ہماری شادی ہو جائے گی تو ہم کسی شاہی نوکر سے تمھاری بھی شادی کرادیں گے۔ پھر تم بھی آرام سے رہنا۔"

سب سے چھوٹی نے جو سُنا تو سچ مچ وہ اور شرما گئی۔ اور پھر جب بولی تو جیسے جھرنے میں سے پانی گر رہا ہو۔

"میری پیاری بہنو!" اتنا کہہ کر وہ اکدم سے خاموش ہو گئی۔

دونوں بہنیں خوب ہنسیں، خوب ہنسیں اور بولیں—

"نہیں، نہیں شرماؤ مت اپنی آرزو بیان کرو۔"

یہ سُن کر سب سے چھوٹی بہن شرماتے ہوئے بولی "میری خواہش ہے کہ میں بادشاہ سے شادی کروں۔ پھر میرے بچے بادشاہ بنیں گے۔ وہ اتنے خوبصورت ہوں گے، اتنے خوبصورت کہ لوگ دور سے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ بادشاہ کے بیٹے ہیں، اور میری لڑکی، اتنی حسین ہوگی کہ چاند اسے دیکھ کر شرمائے گا۔ اس کے بال سونے کی طرح چمکدار ہوں گے۔ اس کے ماتھے کا پسینہ موتی بن کر ٹپکے گا۔ جب وہ ہنسے گی تو سونے اور چاندی کی جھنکار سُنائی دے گی اور جب وہ مُسکرائے گی تو باغوں میں کلیاں کِھل جائیں گی —— بس میں

تم سے کیا بتاؤں کہ کتنی خوبصورت ہوگی میری شہزادی۔"
خسرو شاہ نے یہ سُنا اور زرا سی دیر کے بعد خاموشی سے اپنے محل واپس آگیا۔ اب بادشاہ کے جی میں یہ بات آئی کہ کسی طرح ان تینوں کی آرزو پوری ہو۔ چنانچہ اگلے دن اس نے وزیر سے کہہ کر تینوں بہنوں کو بُلایا۔
جب یہ بہنیں دربار میں آئیں تو مارے ڈر کے کانپ رہی تھیں۔ بادشاہ نے کہا ــــــ "اے لڑکیو! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ آج تمھاری قسمت جاگ رہی ہے۔ تمھاری دِلی آرزو کے پورے ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اور مجھے تم تینوں کی آرزوؤں کے بارے میں معلوم ہے، کیونکہ بادشاہوں سے اپنی رعایا کی کوئی بات چھُپی نہیں ہوتی۔ ہاں تو سُنو۔ تم میں سے جو سب سے بڑی ہے، اس کی شادی میں اپنے حلوائی سے کروں گا تاکہ اس کو بہترین مٹھائی ملے۔ ہے نا یہی تمھاری آرزو؟"
بادشاہ نے بڑی لڑکی سے پوچھا: "میں ٹھیک کہتا ہوں نا؟" بڑی لڑکی نے اپنا سر ہلایا۔
تب اس نے منجھلی لڑکی سے کہا ــــــ "اور تمھاری شادی ہمارے باورچی سے ہوگی اور تم کو وہ سب کھانے ملیں گے جو میرے دسترخوان پر آتے ہیں۔ یہی ہے نا تمھاری آرزو؟"
منجھلی لڑکی نے بھی سر ہلا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ، تیسری

بہن کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: "تم کو میں اپنی ملکہ بناؤں گا۔ خوش ہو ـــــ نا؟ یہی تو ہے تمھاری آرزو۔"

تیسری بہن نے شرماکر سر جھکا لیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے تینوں بہنوں کی شادی ان کی آرزو کے مطابق کردی۔ لیکن تیسری بہن کی شادی بڑی شان و شوکت سے ہوئی اور وہ بڑی عزت کے ساتھ محل میں رہنے لگی۔

دونوں بڑی بہنیں، اپنی چھوٹی بہن سے جلنے لگیں، جو ملکہ تھی۔ وہ اس فکر میں لگ گئیں کہ کسی طرح اس کو نیچا دکھائیں۔ لیکن انھوں نے اس بات کو ظاہر نہیں کیا۔ وہ اپنی چھوٹی بہن سے ملتیں تو اس طرح باتیں کرتیں، جیسے اس سے بڑی محبت کرتی ہوں۔ ہر وقت اس کی خدمت میں لگی رہتیں۔ وہ بیچاری یہی سمجھتی کہ یہ دونوں بہنیں اس سے بہت محبت کرتی ہیں۔ لیکن ان دونوں کو دل ہی دل میں اس بات پر غصّہ تھا۔ وہ تو بادشاہ کے نوکروں کی بیویاں ہیں اور یہ خود ملکہ بن گئی ہے۔ بس وہ تو اسی خیال سے جلتی رہتیں۔ اس طرح بہت دن گذر گئے۔ لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ لیکن جب ملکہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس وقت دونوں بہنیں وہاں موجود تھیں۔ انھوں نے جو اتنا خوبصورت بچّہ دیکھا تو اور جل گئیں۔ انھوں نے سوچا کہ اب اس بہن سے بدلہ لینے کا وقت آگیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ان کو ایک ترکیب

سوُجھ گئی۔ انھوں نے ایک مرے ہوئے کتے کے پلے کو لاکر رکھ دیا اور بچے کو ایک ٹوکری میں رکھ کر محل کے پاس والی نہر میں بہا دیا۔ جب ملکہ نے کتے کے پلے کو دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور بڑی بہن نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا " بہن! پریشان مت ہو۔ خدا کو یہی منظور تھا، کیا کیا جائے۔"

اِدھر جب بچے کی ٹوکری بہتی ہوئی چلی تو بادشاہ کے مالی نے اسے دیکھ لیا اور اسے پانی سے نکال لیا۔ اس نے جو ٹوکری کو کھول کر دیکھا تو اس میں ننھا منا بچہ پایا۔ وہ اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ وہاں باغ میں صرف مالی اور اُس کی بیوی رہتے تھے۔ مالی نے جو اُس بچے کو دیکھا تو مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ وہ ٹوکری اٹھا کر دوڑتا ہوا سیدھا اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور بولا —— " دیکھو اللہ نے ہمیں کتنا اچھا بچہ بھیجا ہے۔ یہ نہر میں بہتا ہوا آیا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ آج سے یہ ہمارا بچہ ہے۔ خدا نے برسوں کے بعد ہماری دُعائیں سُنیں" —— اس طرح یہ بچہ مالی کے یہاں بڑے مزے میں پلتا رہا۔

اگلے سال پھر ملکہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس بار پھر دونوں بہنوں نے جل کر وہی حرکت کی۔ انھوں نے اسی طرح اس بچے کو بھی ٹوکری میں رکھ کر نہر میں بہا دیا اور ملکہ کے پاس ایک بلی کا بچہ مار کر ڈال دیا اور سارے

محل میں مشہور کر دیا کہ ملکہ کے یہاں بلّی کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ ملکہ یہ سُن کر بہت روئی اور بادشاہ کا سر مارے شرم کے جُھک گیا۔ اس کو غصّہ بھی بہت آیا لیکن بادشاہ اتنا نیک تھا کہ اس نے اپنے غصّے پر قابو پالیا اور چُپ ہو گیا۔

اِدھر یہ بچّہ پھر نہر میں بہتا ہوا وہیں پہنچا، جہاں مالی رہتا تھا۔ مالی نے جو ٹوکری دیکھی تو اس نے دوڑ کر نکال لی اور اس طرح یہ بچّہ بھی بچ گیا اور مالی نے اسے بھی پہلے بچے کے بھائی کی حیثیت سے پالا۔

ایک سال کے بعد پھر ملکہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ یہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ ملکہ کی دونوں بہنیں اتنی خوبصورت بچّی کو دیکھ کر اور جل گئیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح بادشاہ ناراض ہوکر ملکہ کو سزا دے۔ اس لیے انھوں نے پھر وہی ترکیب کی۔ ایک ٹوکری میں رکھ کر اسے بھی نہر میں بہا دیا۔ یہ بھی بہتی ہوئی اسی طرح مالی کے ہاتھ لگی، جیسے اس کے دو بھائی۔ مالی نے ان بچّوں کے ساتھ اس کو بھی پالا۔

اس بار ملکہ کی بہنوں نے محل میں مشہور کر دیا کہ ملکہ کے یہاں چوہیا پیدا ہوئی ہے۔ بادشاہ بڑا نیک تھا۔ پھر بھی انسان تھا۔ اس کو اتنا غصّہ آیا، اتنا غصّہ آیا کہ ضبط نہ کر سکا۔ یہ سوچنے لگا کہ میری بیوی انسان نہیں ہے

کوئی درندہ ہے۔ جس کا بچہ انسان نہیں جانور ہوتا ہے۔ اس نے حکم دے دیا کہ ملکہ کو جان سے مار دیا جائے۔ جب ملکہ کو سزا دینے کے لیے باہر لاتے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ زار زار قطار رو رہی تھی۔ بادشاہ کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے کہا " اچھا اسے لے جاکر محل کے کسی کمرے میں بند کر دو " چنانچہ ملکہ کو محل کے اندر ساری زندگی کے لیے قید کر دیا گیا۔

اب ملکہ کی دونوں بہنیں بہت خوش ہوئیں۔ وہ بادشاہ کے حلوائی اور باورچی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھیں۔ اب اُن کو اس بات کا غم نہیں تھا کہ ان کی بہن ملکہ ہے۔ اور وہ محض حلوائی اور باورچی کی بیویاں ہیں۔

اِدھر باغ میں تینوں بچے ہنسی خوشی پل رہے تھے۔ جو کوئی انھیں دیکھتا، حیرت میں رہ جاتا کہ کتنے پیارے پیارے بچے ہیں مالی کے۔ مالی نے بڑے لڑکے کا نام فرید رکھا، دوسرے کا فیروز اور لڑکی کا نام فیروزہ۔

فیروزہ تو اتنی خوبصورت تھی کہ جب وہ مسکراتی تو ایسا لگتا کہ جیسے آسمان پر تارے چھٹک گئے ہوں ـــ اور زمین پر کلیاں کھل اُٹھی ہوں۔ مالی اور اس کی بیوی اتنے خوبصورت خوبصورت بچوں کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ فیروزہ جتنی خوبصورت تھی، اتنی ہی عقلمند بھی تھی۔ اس کی عقل کو دیکھ کر تو اس کے دونوں بھائی

دنگ رہ جاتے۔ جب تینوں بہن بھائی بڑے ہوئے تو انھوں نے تیراندازی سیکھی۔ کبھی کبھی فرید اور فیروز اپنی بہن کو بھی اپنے ساتھ شکار پر لے جاتے۔ ان کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ جو کوئی اُن کی طرف دیکھتا، اس کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں۔

اب مالی اور اس کی بیوی بہت بوڑھے ہوگئے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مالی کی بیوی بہت بیمار ہوئی، اس کا بہتیرا علاج کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن وہ مر گئی۔ مالی اور تینوں بچّوں کو بہت دُکھ ہوا۔ کیونکہ اس کے بغیر سارا باغ سُونا ہو گیا۔ اُن کے لیے اس جھونپڑی میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس لیے کہ انھیں وہاں کی ہر چیز کو دیکھ کر بوڑھی مالن یاد آتی۔ آخر مالی بادشاہ کے پاس گیا اور اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ "جہاں پناہ! میں نے اپنی تمام عمر آپ کی خدمت کی، لیکن اب بوڑھا ہو گیا ہوں میری بیوی جو میری زندگی کا سب سے بڑا سہارا تھی وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے چھُٹی دے دیں تاکہ میں اپنی باقی زندگی خدا کی یاد میں گذاروں۔"

بادشاہ نے مالی کو اجازت دے دی اور اس کے لیے شہر میں ایک اچھا مکان بنوا دیا اور انعام کے طور پر بہت سا روپیہ بھی دیا تاکہ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ

ہو۔ مالی نے اپنے نئے مکان کے پاس ایک بڑا خوبصورت باغ لگایا اور تینوں بچّوں کے ساتھ مزے میں رہنے لگا۔ یہ تینوں بچّے بھی جوان ہو گئے تھے اور مالی کو ان کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کے بغیر انھیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ آخر ایک روز مالی بہت بیمار ہوا اور ایک دن وہ بھی مر گیا۔ مالی، ان تینوں بچّوں سے باپ کی سی محبت کرتا تھا اور وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ یہی ان کا باپ ہے۔ وہ اُس کی موت پر بہت روئے، بہت روئے۔ اب یہ تینوں بہن بھائی رہ گئے۔ فرید اور فیروز اپنی بہن سے بہت محبّت کرتے تھے۔ اور اس کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔ اُن کے مرنے کے بعد اب یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم تھی کہ تینوں کہاں سے آئے۔ گویا اس بوڑھے کے ساتھ یہ راز منوں مٹّی کے نیچے دفن ہو گیا۔

یہ تینوں بہن بھائی اپنی زندگی مِل جُل کر گزارتے رہے۔ فرید اور فیروز تو شکار کھیلنے چلے جاتے اور فیروزہ اکیلی گھر میں رہتی اور اپنے باغ کی دیکھ بھال کرتی۔ ایک دن وہ جب گھر میں اکیلی تھی تو وہاں ایک بوڑھی عورت آئی۔ فیروزہ نے اسے اپنا باغ دکھایا اور اس کی خوب خاطر مدارات کی۔ اُسے خوب مزے مزے کی چیزیں کھلائیں۔ بڑھیا کھا پی کر بہت خوش ہوئی، اور اس نے فیروزہ کو بڑی دعائیں دیں۔ فیروزہ نے پھر اسے لے جا کر ایک بڑے خوبصورت

پیڑ کے نیچے بٹھایا اور اس سے پوچھا "بڑی بی! تم تو جگہ جگہ گھومتی پھرتی ہو، تم نے تو بہت سے اور طرح طرح کے باغ دیکھے ہوں گے، اب یہ بتاؤ کہ تم کو ہمارا باغ کیسا لگا؟"

بڑھیا تھوڑی دیر تو خاموش رہی، جیسے کچھ سوچ رہی ہو، پھر بولی "میری پیاری بیٹی! میری ساری زندگی دنیا کی سیر کرتے گزری ہے۔ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتی پھرتی ہوں۔ کسی جگہ کبھی ٹھہرتی نہیں ہوں۔ لیکن تمہارے باغ کو دیکھ کر میرا جی بہت خوش ہوا۔ پھر تمہاری صورت شکل کی لڑکی تو میں نے دیکھی ہی نہیں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ جس باغ میں تم جیسی لڑکی ہو، اس میں اگر وہ تین چیزیں اور ہوتیں، جن کی مثال دنیا میں کہیں اور نہیں ہے تو پھر کتنا اچھا ہوتا۔

نیردزہ سوچنے لگی کہ وہ آخر کون سی تین چیزیں ہیں، جن کی کمی ہے اور جو ایسی عجیب و غریب ہیں۔ اس نے بڑھیا سے پوچھا —— "بڑی بی! وہ ایسی کون سی تین چیزیں ہیں مجھے بتاؤ۔ میں اپنے بھائیوں سے کہہ کر انھیں حاصل کروں۔"

"میں ضرور بتاؤں گی —— تم نے جس طرح میری خاطر مدارات کی، اس کا میرے دل پر بڑا اثر ہے" یہ کہہ کر بڑھیا نے کہا —— "ایک تو ایسی چڑیا ہے کہ جب وہ گاتی ہے تو ساری چڑیاں اس کے سامنے جمع ہو جاتی ہیں اور سب مل کر گاتی ہیں۔ اسے بلبلِ ہزار داستاں کہتے ہیں —— دوسری چیز —— گانے والا

پودا ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو اس پیڑ کی ایک ایک پتی سے بڑی اچھی آواز نکلتی ہے، جیسے بہت سے ساز ایک ساتھ بجنے لگے ہوں ـــــ اور تیسری چیز ہے سنہرا پانی ـــــ جیسے سونے کے موتی ٹپک ٹپک کر گر رہے ہوں۔"

بڑھیا نے یہ تینوں عجیب و غریب چیزیں بتانے کے بعد پھر کہا ـــــ "بیٹی! اگر تمھارے باغ میں یہ تینوں چیزیں آ جائیں تو بس تمھارے باغ میں کسی چیز کی ضرورت باقی نہ رہے۔"

شہزادی نے کہا: "بڑی بی! یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ تینوں چیزیں کہاں ملیں گی۔"

بڑھیا نے کہا "یہ تینوں واقعی تمھارے باغ کے لائق ہیں۔ کاش تم ان کو حاصل کر سکو۔ اس کے لیے تم کو ہندستان تک کا سفر کرنا ہوگا۔ اگر کوئی جائے تو اس سے کہنا کہ مشرقی سڑک پر روانہ ہو جائے، چلتا رہے، چلتا رہے۔ بیس روز تک سفر کرے۔ اس کے بعد جو آدمی سب سے پہلے نظر آئے تو اس سے کہے ـــــ ارے بھائی! بولنے والی چڑیا، گانے والا پودا، اور سنہرا پانی کہاں ہیں، ـــــ اب وہ اجنبی جو راستہ بتائے اسی پر روانہ ہو جائے۔ خدا کرے کہ تمھاری مراد پوری ہو جائے۔"

یہ کہہ کر بڑھیا منہ ہی منہ میں کچھ کہتی ہوئی چلی گئی، جیسے فیروزہ کو دعائیں دے رہی ہو۔ جب وہ بڑھیا چلی گئی

تو فیروزہ کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ ذرا سی دیر بعد وہ چونکی۔ اس نے سوچا کہ اس جگہ کا پتا بڑھیا سے اور پوچھ لوں۔ لیکن جب اس نے اٹھ کر دیکھا تو بڑھیا، اس کی نظر سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے سوچا کہ بڑھیا نے جو کچھ پتا بتایا ہے اسی کو یاد کر لیا جائے تو اچھا ہے۔ اس لیے وہ اسے یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ ان تینوں عجیب و غریب چیزوں کو دیکھے بلکہ کسی طرح ان کو حاصل کرے۔ اب اس کو اپنا باغ ذرا بھی اچھا نہیں لگا اور ذرا سی دیر بعد وہ باغ کی روشوں پر چلتے چلتے رونے لگی اور اس کی آنکھوں سے جو آنسو ٹپکے وہ موتیوں کی لکیر بن گئے۔

ذرا سی دیر کے بعد فیروز اور فرید شکار سے واپس آ گئے۔ وہ اپنی بہن کو ڈھونڈنے باغ میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ روش پر موتیوں کی قطار تھی اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہا " آج کوئی بات ہے جو ہماری بہن رو رہی ہے۔ ایسی کون سی بات ہو گئی، جس نے اُسے اُداس کر دیا۔" وہ اسی راستے پر جہاں موتی پڑے تھے، چلتے چلتے انھیں ایک جگہ فیروزہ نظر آئی۔ وہ دوڑ کر اپنی بہن سے لپٹ گئے "پیاری بہن! ایسی کیا بات ہے کہ تمھارا پھول سا چہرہ مُرجھا گیا ہے اور تم نے باغ میں جگہ جگہ آنسوؤں کے موتی بکھیر دیے ہیں۔"

فیروزہ نے انھیں دیکھ کر سر اٹھایا اور اپنے بھائیوں

کو پریشان دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی اور اس کے ہونٹوں پر گلاب کا ایک چھوٹا سا پھول کھل گیا۔ وہ بولی "میرے پیارے بھائی"۔ اور پھر خاموش ہو گئی ــــــ اسے خود اپنی خواہش پر شرم آئی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے ــــــ میری بہن ــــــ ہمیں بتاؤ ــــــ ہم پر بھروسہ کرو۔ ہم تو تمھارے لیے آسمان کے تارے توڑ کر لا سکتے ہیں۔"

فیروزہ کے لیے اب بات کو اور بھی چھپانا مشکل ہو گیا' بولی ــــــ "مجھے اب اپنا یہ باغ اچھا نہیں لگتا کیونکہ یہاں نہ تو بلبل ہزار داستاں ہے ــــــ نہ گانے والا پیڑ اور نہ سنہرا پانی۔"

اس کے بعد فیروزہ نے اپنے بھائیوں کو بڑھیا کے آنے اور اس کی خاطر مدارات کرنے اور پھر اس کی زبانی ان تینوں چیزوں کے بارے میں معلوم ہونے کا حال سنایا۔ دونوں بھائیوں کو سن کر حیرت ہوئی۔ پھر بولے "بہن! تم پریشان مت ہو۔ ایسی کون سی چیز ہے جو ہم تمھارے لیے نہیں لا سکتے اگر اس کے لیے ہمیں کوہ قاف بھی جانا پڑے تو ہم وہاں بھی چلے جائیں گے۔ تم بالکل پریشان نہ ہو۔ اپنے آنسو پونچھو اور ہمیں یہ بتاؤ کہ بڑھیا نے اس کا کوئی پتا بھی بتایا ہے۔"

اب فیروزہ کچھ پریشان ہو گئی، لیکن پھر اس نے بڑھیا کے بتائے ہوئے پتے کا ذکر کیا۔

دونوں بھائیوں نے ایک آواز سے کہا ——— "پیاری بہن! تم گھر میں جاؤ۔ ہم ابھی اس طرف جاتے ہیں اور تمھارے لیے یہ تینوں چیزیں لے کر آتے ہیں۔"

فیروزہ نے کہا "میرے بھائی، مت جاؤ۔ میں ان کے بغیر بھی جی لوں گی۔ مگر تم لوگ چلے گئے تو میں کیا کروں گی۔"

فرید نے کہا "بہن تم فکر مت کرو۔ میں اکیلا جاؤں گا۔ میرا گھوڑا تیار ہے۔" فیروز تمھارے پاس رہے گا۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

فیروزہ نے جا کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ "بس اُتر جاؤ۔ اس سفر کا خیال چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ سفر خطرناک ہے۔ مجھے نہ بلبل ہزار داستاں کی ضرورت ہے اور نہ گانے والے پیڑ اور نہ سُنہرے پانی کی۔"

فرید نے اسے پیار کیا اور کہا ——— "میری پیاری بہن! تم بالکل پریشان نہ ہو۔ میں بہت جلد آؤں گا۔ خدا میری حفاظت کرے گا۔ میں تم کو ایک چاقو دیتا ہوں۔ تم جانتی ہو، اس کا دستہ کیسے بنا ہے۔ اس کے دستے پر جو موتی ہیں، یہ دراصل وہ آنسو ہیں، جو تمھاری آنکھوں سے پہلی بار ٹپکے تھے۔ اس چاقو کا کمال یہ ہے کہ جب تک یہ صاف ستھرا ہے، سمجھو کہ میں خیریت سے ہوں۔ البتہ جب اس پر زنگ آ جائے تو سمجھو کہ میری جان خطرے میں ہے۔ میں قید ہو گیا ہوں ——— لیکن اگر خون کے قطرے آ جائیں تو جان لینا کہ

میں اب زندہ نہیں ہوں۔ اگر ایسی بات ہو جائے تم دونوں بس خدا سے میرے لیے دعا کرنا اور صبر سے کام لینا۔"

اس نے یہ کہہ کر وہ چاقو فیروزہ کو دیا اور بڑھیا کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔

فرید بیس دن اور بیس راتوں تک چلتا رہا۔ راستے میں سوائے جنگل کے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ راستے کے دونوں طرف پیڑ تھے۔ فرید کو ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہیں پہاڑ کے نیچے ایک پیڑ نظر آیا، اور اس کے نیچے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا دکھائی دیا۔ بوڑھے کے سر اور داڑھی کے بال اتنے تھے کہ اس کا منہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی بھویں لمبی اور بال سَن جیسے سفید ہو رہے تھے۔ اس کے بازو اور پیر سوکھ کر کانٹا ہو رہے تھے اور اس کے ناخن بہت ہی لمبے ہو گئے تھے۔ اس کو دیکھ کر خیال ہوتا کہ یہ آدمی ساری دنیا کو چھوڑ کر برسوں سے یہاں بیٹھا ہے۔

فرید نے کہا "بابا! —— ہمارا سلام قبول کرو۔"

بوڑھے نے سر اٹھایا، لیکن اس کی بھویں آنکھوں کو چھپائے ہوئے تھیں۔ اس نے دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے منہ کھولنا چاہا، لیکن مونچھوں کے بال سامنے آ گئے۔ اس کو ایسا لگا جیسے اس کی آواز بالوں میں اُلجھ کر رہ گئی۔ فرید کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

فرید نے سوچا کیوں نا اس بوڑھے کی مدد کی جائے

اور پھر اس سے راستہ پوچھا جائے۔ یہ سوچ کر فرید نے اپنی جیب سے قینچی نکالی اور بولا ــــــ "بابا! مجھے اجازت دو کہ میں تمھارے بال کاٹ دوں اس لیے کہ تم کو تو خدا کی یاد ہی سے فرصت نہیں ہے کہ اپنا خیال کرو۔"

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرید نے بڑھ کر جلدی جلدی بوڑھے کے بال کاٹے۔ اب بوڑھے کا چہرہ نظر آنے لگا۔ پھر اس کے ناخن کاٹے اور بولا "اب آپ بالکل ترو تازہ ہو گئے۔

بوڑھے نے فرید کو غور سے دیکھا۔ اُس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ جیسے وہ بہت خوش ہے۔ پھر اس نے فرید سے کہا ــــــ "بیٹا! خدا تم کو سدا خوش رکھے کہ تم نے مجھ جیسے بوڑھے کی خدمت کی۔ اب بتاؤ تمھیں کیا چاہیے اور تم اس ویرانے میں کیوں اور کس کام سے آئے ہو؟"

فرید نے کہا "بابا! میں بہت دُور سے آرہا ہوں۔ مجھے بلبلِ ہزار داستاں، گاتے ہوئے پیڑ اور سنہرے پانی کی تلاش ہے۔ کیا تم مجھے اِن کا پتا بتا سکتے ہو؟"

بوڑھا، جس کی اُنگلیاں، تسبیح کے دانوں پر چل رہی تھیں، اکدم سے گھبرا گیا۔ اُس نے ہاتھ روک کر فرید کی طرف دیکھا۔

فرید نے کہا "بابا! تم اکدم سے خاموش کیوں ہوگئے۔ کیا تم کو اس کا پتا نہیں معلوم؟"

بوڑھے نے کہا ـــــ "بیٹا! مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے۔ لیکن تم نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے، اس کے بدلے میں میں تم کو اتنے خطرناک راستے پر نہیں جانے دینا چاہتا۔ بہتر ہے کہ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی راستے پر پلٹ جاؤ۔ تمہارے جیسے کتنے نوجوان اِدھر ان چیزوں کی تلاش میں گئے لیکن آج تک کوئی واپس نہیں آیا۔"

فرید نے کہا "بابا! تم اس کی فکر مت کرو۔ خدا نے مجھے عقل دی ہے اور طاقت بھی۔ بس تم تو مجھے راستہ بتا دو۔"

بوڑھے نے کہا "بیٹا! تم کتنے ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، لیکن جو دشمن دکھائی نہ دے، اس کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہو۔ اور پھر جبکہ ان کی تعداد ایک دو نہیں ہزاروں ہے۔"

فرید نے کہا "بابا! میں دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ اگر مجھے مرنا ہے تو کہیں بھی مر سکتا ہوں۔ اس لیے تم اس کی فکر مت کرو۔ میں زندگی بھر تمہارا احسان مانوں گا۔"

جب بوڑھے نے دیکھا کہ فرید اپنے فیصلے پر اٹل ہے اور کوئی بات نہیں مانتا تو پھر اس نے اپنی جھولی میں ہاتھ ڈالا۔ اس میں سے ایک فولاد کی گیند نکلی۔ اس نے یہ گیند فرید کو دے کر کہا ـــــ "تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور اس گیند کو سامنے پھینک دو۔ یہ گیند اپنے آپ چلے گی۔ جس جس راستے پر یہ گیند چلے

تم اپنے گھوڑے کو اسی راستے پر لے چلو۔ جہاں یہ مُڑک جائے تم بھی رُک جانا۔ اس کے بعد اپنے گھوڑے کی لگام کو اسی گیند سے باندھ دینا۔ اس سے باندھنے کا اثر یہ ہوگا کہ تمھارا گھوڑا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوگا۔ اس کے بعد تم اس پہاڑ پر چڑھ جانا، جس کی چوٹی یہاں سے دکھائی دے رہی ہے۔ تم کو دونوں طرف کالے کالے پتھر دکھائی دیں گے۔ اب تم کو طرح طرح کی آوازیں سُنائی دیں گی۔ یہ آوازیں کسی جھرنے کی نہیں ہیں ـــــ یہ آوازیں ہواؤں کی بھی نہیں ہیں ـــــ یہ آوازیں ہیں: اُن کی جو دکھائی نہیں دیتے، اور اُس پہاڑ کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ آوازیں اتنی بھیانک ہوتی ہیں کہ آدمی کانپ اُٹھتا ہے۔ یہ بُرا بھلا کہتی ہیں۔ چیختی چلّاتی ہیں ـــــ ان کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ اب اگر تم نے مُڑکر دیکھا تو پتّھر کے ہو جاؤ گے ـــــ کالے پتھر کے ـــــ جیسے کہ وہ پتھر ہیں۔ یہ لوگ تمھاری طرح ان تینوں چیزوں کی آرزو لے کر وہاں پہنچے ـــــ لیکن انھوں نے میری بات نہ مانی۔ مُڑ کر دیکھا اور پتّھر کے ہو گئے۔ اگر تم سیدھے آگے پہنچ گئے تو گویا تم نے اپنی منزل پالی۔ تم کو سامنے ایک پنجرہ دکھائی دے گا، جس میں ایک چڑیا بند ہوگی، یہی بلبلِ ہزار داستاں ہے۔ تم اس سے پوچھوگے تو یہ بتا دے گی کہ گاتا ہوا پیڑ اور سنہرا پانی کہاں ہیں۔ اب جاؤ خدا حافظ ـــــ" یہ کہہ

کر بوڑھا خاموش ہو گیا۔

فرید گیند لے کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے گیند سامنے راستے پر پھینکی۔ گیند چلنے لگی۔ یہ گیند عجیب و غریب راستوں سے گزر رہی تھی۔ لیکن فرید کا گھوڑا بہت تیز تھا۔ اس نے بھی ہر راستے کو پھرتی سے پار کیا۔ یہاں تک کہ وہ گیند پہاڑ کے بالکل نیچے آکر رک گئی۔ فرید نے اُتر کر گھوڑے کی لگام گیند سے باندھی۔ گیند سے لگام کو باندھنا تھا کہ گھوڑے کے پاؤں اپنی جگہ پر جم گئے جیسے کسی نے کیل سے جڑ دیا ہو۔

اب فرید پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اسے کوئی آواز سُنائی نہیں دی۔ البتہ اسے اپنے دائیں بائیں کالے کالے پتھر نظر آئے، جن کے بارے میں بوڑھے نے بتایا تھا۔ پھر اچانک چٹانوں میں ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں بڑھتے بڑھتے بڑی بھیانک ہو گئیں۔ ایسی خوفناک آوازیں اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ ایک آواز آئی "کیا کام ہے؟ کیا کام ہے؟ بتاتا کیوں نہیں" کوئی آواز آتی "گرادو ـــــ گرادو ـــــ جان سے مار ڈالو بُزدل کو۔" بعض آوازیں رونے کی تھیں، بعض ہنسنے کی تھیں۔

فرید بڑی بہادری سے چڑھتا چلا گیا ـــــ لیکن ذرا سی دیر میں یہ آوازیں اور زیادہ بھیانک اور خوفناک ہو گئیں۔

کبھی تو ایسا لگتا، جیسے یہ آوازیں بہت دور سے آرہی ہیں اور کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے بہت پاس سے آرہی ہیں۔ اب تو فرید کو ان آوازوں سے ڈر لگنے لگا۔ وہ کانپنے لگا۔ وہ بوڑھے کی نصیحت کو بالکل ہی بھول گیا۔ ایک مرتبہ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ مُڑ کر دیکھنا تھا کہ وہ وہیں کا وہیں جم کر رہ گیا اور پھر اَوروں کی طرح پتھر کا ہو گیا۔

جیسے ہی فرید کا جسم پتھر کا ہوا۔ اس کا گھوڑا بھی پتھر کا ہو گیا۔ اور جب گھوڑا پتھر کا ہوا تو پھر فولاد کی گیند لڑھکتی ہوئی واپس بوڑھے کے پاس چلی گئی۔

جب فیروزہ نے اپنا چاقو نکال کر جو دیکھا تو اس میں زنگ لگا ہوا تھا۔ فیروزہ اس کو دیکھ کر گھبرا گئی، زاروقطار رونے لگی۔ ہائے میرا بھائی! میں نے تم کو کیوں جانے دیا۔ میں نے تم کو روکا کیوں نہیں۔ ہائے میرا بھیّا۔ میری وجہ سے تمہاری جان خطرے میں پڑ گئی۔ اس کے بھائی فیروز نے جو یہ دیکھا کہ اس کے بھائی کی جان خطرے میں ہے تو وہ بھی رونے لگا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور فیروزہ سے کہا" میری پیاری بہن! پریشان مت ہو۔ میں بھائی کو ڈھونڈ کر لاؤں گا۔ میں اسے مشکل سے نکالوں گا اور تمھارے لیے وہ تینوں چیزیں بھی لاؤں گا۔"

یہ سُن کر فیروزہ اور پریشان ہو گئی۔ اس نے کہا "میرے بھائی! اب تم ہی میرا سہارا ہو۔ تم بھی چلے گئے

تو میرا کیا ہوگا۔ میں اکیلے کیسے زندہ رہوں گی۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے ـــــ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

لیکن فیروزہ کے روکنے کے باوجود فیروز چلا گیا۔ البتہ اُس نے جانے سے پہلے اسے موتیوں کا ہار دیا۔ یہ ہار ان موتیوں سے بنا تھا، جب فیروزہ بچپن میں دوسری بار روئی تھی۔ اس کے آنسو موتی بن گئے تھے۔ فیروز نے جاتے ہوئے اسے یہ ہار دے کر کہا" اگر اس ہار کے موتی ایک دوسرے سے جُڑ جائیں تو سمجھ لینا کہ میرا حال بھی اپنے بھائی جیسا ہوگیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔ بیسویں روز اسے بھی وہی بوڑھا ملا۔ بوڑھے سے جب فیروز نے اپنی بات کہی تو اُس نے روکا اور کہا" بیٹا! اپنے گھر واپس چلے جاؤ ورنہ تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو تمھارے بھائی کا ہوا۔ ابھی تک وہاں کا گیا ہوا کوئی بھی واپس نہیں ہوا۔"

لیکن فیروز نہیں مانا۔ وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر بوڑھے نے اپنے تھیلے میں سے گیند نکال کر دے دی۔ اور یہ گیند آگے آگے چلتی رہی اور پیچھے پیچھے فیروز کا گھوڑا ـــــ آخر پہاڑ کے بالکل نیچے جاکر یہ گیند رُک گئی۔ فیروز نے اپنا گھوڑا گیند سے باندھا اور پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ ذرا سی دیر میں آوازیں آنی شروع

ہوئیں، وہی بھیانک آوازیں۔ یہ آوازیں اسے ڈرا دھمکا رہی تھیں —— وہ بڑھتا رہا۔ بڑھتا رہا۔ ہر قدم کے ساتھ آوازیں بھی خوفناک ہوتی چلی گئیں۔ لیکن اچانک اس کو ایسا لگا کہ جیسے اس کا بھائی اس کو آواز دے رہا ہے۔ "میرے بھائی مجھے چھوڑ کر کہاں جارہے ہو۔"

جیسے فیروز نے فرید کی آواز سُنی، اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ جیسے ہی اس نے مُڑ کر دیکھا، سارا جسم پتھر کا ہوگیا۔

یہاں فیروزہ کا یہ حال تھا کہ ہر وقت وہ اس ہار کو دیکھتی رہتی۔ اکیسویں دن اس ہار کے سب موتی ایک دوسرے سے جُڑ گئے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی اور پھر زور سے چیخی —— "ہائے میرا بھائی —— ہائے میں نے اپنی بیوقوفی سے اپنے بھائیوں کو کھویا۔"

جب فیروزہ کافی رو دھو چکی تو اُس نے سوچا کہ میرے بھائی مصیبت میں پھنسے ہیں مجھے خود ان کو مصیبت سے نکالنا چاہیے —— یہ سوچ کر اس نے جلدی جلدی مردانہ کپڑے پہنے، مردانہ بھیس بدلا، اور گھوڑے پر بیٹھ کر سیدھی اسی راستے پر روانہ ہوگئی۔

بیس روز بعد فیروزہ اسی پیڑ کے نیچے پہنچی، جہاں وہ بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جاتے ہی کہا "بابا! کیا تم نے دو خوبصورت نوجوانوں کو اس راستے پر جاتے دیکھا ہے۔ جو بلبلِ ہزار داستاں، گاتے ہوئے پیڑ اور سنہرے پانی

کی تلاش میں تھے۔

"ہاں بیٹی فیروزہ! وہ اسی راستے پر گئے ہیں۔ میرے روکنے کے باوجود نہیں مانے۔ اور ان کے ساتھ بھی وہی ہوا جو' ان سے پہلے اوروں کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ بھی پتھر کے ہو گئے۔

بوڑھے کی زبان سے اپنا نام سُن کر فیروزہ حیرت میں رہ گئی۔ لیکن پھر بوڑھے نے کہا:" جس نے تم سے ان تینوں چیزوں کے بارے میں بتایا۔ وہ سچ کہتے ہیں۔ واقعی اُن میں یہی خوبیاں ہیں۔ لیکن بتانے والے نے تم کو اس خطرے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ان کا حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ان کی حفاظت وہ طاقتیں کر رہی ہیں، جو دکھائی نہیں دیتیں۔ انسان کے لیے ان پر فتح پانا' ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔"

فیروزہ نے کہا ــــــ "سائیں بابا! میں اپنے بھائیوں کے لیے بے چین ہوں۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میرے سب کچھ وہی ہیں۔ تم مجھے راستہ بتا دو۔ یہ میرے اوپر بڑا احسان ہوگا۔ ایک بہن کی بات مان لو بابا!

بوڑھے نے کہا ــــــ" اے شہزادی فیروزہ لو یہ گیند ہے ــــ یہ تم کو راستہ بتائے گی اور تمھیں منزل تک پہنچا دے گی۔ لیکن تم اپنے بھائیوں کو اس وقت تک نہیں چھڑا سکتیں جب تک کہ ان تینوں چیزوں پر قبضہ نہ کرلو' جن کے لیے تمھارے بھائی گئے تھے ــــــ اے شہزادی!

میں تجھے دعا دیتا ہوں، اس لیے کہ تم اپنے بھائیوں کی محبت میں جا رہی ہو۔ خدا تیری مدد کرے گا۔"

یہ کہہ کر بوڑھے نے وہی گیند فیروزہ کے حوالے کر دی۔ اور اس کے بعد کچھ رُوئی جیب سے نکالی اور اس سے کہا۔" بیٹی! اپنا سر جھکانا ——" فیروزہ نے سر جھکایا۔ بوڑھے نے اس کے دونوں کانوں میں خوب اچھی طرح روئی ٹھونس دی اور کہا" بیٹی فیروزہ! جاؤ پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ اب کوئی آواز تمھارے کان میں نہیں آئے گی۔ نہ محبت کی اور نہ نفرت کی۔"

فیروزہ نے گیند پھینک دی۔ گیند اسی طرح پہاڑ کے نیچے تک پہنچی۔ فیروزہ بھی گھوڑے پر سوار اس کے پیچھے پیچھے وہاں آ گئی۔ جیسے ہی گیند رُکی، فیروزہ نے گھوڑے کو گیند سے باندھ دیا اور پہاڑ پر چڑھنے لگی۔ زرا سی دیر میں ان ہی آوازوں نے فیروزہ کا پیچھا کیا۔ لیکن فیروزہ کے کان میں تو روئی تھی، اسے کچھ بھی نہ سنائی دیا۔ وہ آگے بڑھتی رہی، بڑھتی رہی۔ اس کے پاؤں تھک کر شل ہو گئے لیکن وہ تیزی سے چلتی ہوئی چوٹی پر پہنچی۔ جیسے ہی وہ چوٹی پر پہنچی، ساری آوازیں اکدم سے رُک گئیں۔ فیروزہ کی نظر سامنے پنجرے پر پڑی۔ یہ پنجرہ سونے کا تھا۔ فیروزہ سمجھ گئی کہ یہ وہی بولتی ہوئی چڑیا ہے۔ بلبلِ ہزار داستاں —— فیروزہ نے جلدی سے وہ پنجرا اُٹھا لیا" میں نے تمھیں پا لیا۔

اب بتاؤ تم کہاں جاؤ گی۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے کانوں میں سے روئی نکال کر ایک طرف پھینکی۔ جیسے ہی اس نے کان سے روئی نکالی چڑیا بولی ——

"میری فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
میں تو تم سے زیادہ جانوں
سلطان کی بیٹی میری مالک
میں اس کا ہر کہنا مانوں۔"

فیروزہ اس کو دیکھ کر اتنا خوش ہوئی کہ اپنی ساری تکلیف بھول گئی —— پھر بلبل سے بولی: "اے بلبلِ ہزار داستاں! سچ سچ تم اگر مجھے اپنا مالک سمجھتی ہو تو پھر ثابت کرو۔

بلبل فوراً بولی۔

"فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
جو کہنا ہے سو کہہ کر دیکھ
پھر دیکھ میں کیسے تیرا کہنا مانوں۔"

فیروزہ نے کہا "اے بلبل! ذرا یہ تو بتاؤ کہ وہ گانے والا پیڑ کہاں ہے۔"

بلبلِ ہزار داستاں نے کہا:

"فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
اس پار پہاڑی کے جاکر دیکھ

اک پیڑ وہاں پر سندر سا
جس کی ہر پتی، ہر پھول اور ہر ایک کلی سے
مدھم مدھم گانے کی آواز نکلتی رہتی ہے۔"

جب فیروزہ وہاں پہنچی تو اسے بہت بڑا پیڑ دکھائی دیا۔ اتنا بڑا پیڑ —— اتنا بڑا پیڑ کہ اس کے نیچے پوری فوج آ سکتی ہے۔ فیروزہ گھبرا گئی کہ اتنا بڑا پیڑ کیسے اکھاڑ کر لے جا سکتی ہے۔ بلبل اس کی پریشانی سمجھ گئی اور بولی:

"شہزادی —— فیروزہ شہزادی
اس پیڑ کی تم اک شاخ کو توڑ دو۔
باغ میں لگ کر پیڑ بنے گا
اتنا گھنا اور اتنا ہی اونچا
شاخ سے گویا پیڑ بنے گا۔"

فیروزہ کافی دیر تک پیڑ کا گانا سنتی رہی۔ سچ مچ ہر اک پتی، ہر اک کلی اور ہر اک پھول سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔

فیروزہ نے اس کی ایک شاخ توڑ لی اور اس کے بعد بلبل سے پوچھا:

"بی چڑیا —— اب یہ تو بتاؤ وہ سنہرا پانی کدھر ہے ——"

بلبلِ ہزار داستاں بولی:

"شاخ کو لے کر پچھم جاؤ
چٹانوں میں اک دریا ہے
اس کا پانی پگھلے سونے جیسا
پچھم میں جیسے سورج ڈوبا
رنگ ہے اس کا گہرا پیلا
اک برتن میں اس کو بھر لو"

فیروزہ آگے بڑھی تو کیا دیکھتی ہے کہ چٹانوں کے اندر ایک جگہ پانی بہہ رہا ہے جیسے پگھلا ہوا سونا بہہ رہا ہو۔ فیروزہ نے اس کو ایک برتن میں بھر لیا۔

یہ دونوں چیزیں لے کر فیروزہ پرندے کے پاس گئی اور بولی —— میری پیاری بلبل! اب ایک کام اور ہے۔ جس کے لیے میں اتنا لمبا سفر کرکے آئی ہوں"

بلبل نے کہا:

فیروزہ —— شہزادی فیروزہ میری مالک
جو جی میں ہو وہ بات کہہ
پھر دیکھ کیسے کہنا مانوں"

فیروزہ بولی "میرے دونوں بھائی کہاں ہیں — میرے بھائی —— وہ کہاں ملیں گے؟"

بلبل نے کہا:

"فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
بھائی تمھارے پتھر بن کر

سیڑھی پر ہیں وہ بُت جیسے
اُن پر یہ سنہرا پانی چھڑکو
پھر بن جائیں گے وہ تم جیسے

فیروزہ نے تھوڑا سا سنہرا پانی لیا۔ اب جس کالے پتھر پر اس سنہرے پانی کی چھینٹیں ڈالتی ــــــ وہ پتھر سے آدمی بن جاتا۔ اس طرح وہ تمام پتھر آدمی بنتے چلے گئے اور اس کے دونوں بھائی بھی اُن ہی میں سے تھے وہ دوڑ کر اپنی بہن سے لپٹ گئے۔ باقی تمام لوگ جو ابھی پتھر بنے ہوئے تھے، وہ فیروزہ کے سامنے آتے اور انھوں نے جُھک کر بڑے ادب سے سلام کیا۔ ان کے تمام گھوڑوں میں بھی جان پڑ گئی۔ اب فیروزہ آگے بڑھی، اُس کے ساتھ دونوں بھائی ــــــ اور اُن کے پیچھے وہ تمام آدمی غرض ایک قافلہ بن گیا۔

یہاں سے یہ سب لوگ اس پیڑ کے نیچے آئے جہاں بوڑھا بابا بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اب جو دیکھتے ہیں تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ فیروزہ حیران رہ گئی۔ وہ تو بوڑھے بابا کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ بلبل نے فیروزہ کو پریشان دیکھا تو بولی۔

شہزادی ــــــ فیروزہ شہزادی
فرض کا پکّا بوڑھا بابا
ہر اک کو تھا راہ دکھاتا
ہر اک کے تھا وہ کام آتا

منزل پر اس نے تم کو بھیجا
روٹی بھی دے دی، بھید بتایا
بھید بھی ایسا جو کام آیا"

فرید نے کہا ——— "چڑیا سچ کہتی ہے : بوڑھے نے اپنا پیغام پہنچا دیا کہ باہر کی دنیا تم کو اسی وقت تک نقصان پہنچا سکتی ہے، جب تم اپنا دھیان ادھر لگاتے ہو۔ تم نے اس بوڑھے سے عقل اور علم حاصل کر لیا اور اب یہ دونوں تمھیں زندگی بھر راستہ دکھائیں گے۔ یہی بوڑھے کی زندگی کا مقصد تھا اور یہ مقصد تمھارے ذریعے پورا ہوگیا۔ اب اپنے راستے پر چلو۔"

بلبل کی اس بات کا سب کے دل پر اثر ہوا۔ اس کے بعد یہاں سے سب لوگ اپنے اپنے راستے پر چلے گئے۔ فیروزہ اور اس کے دونوں بھائی بیس دن کے سفر کے بعد اپنے گھر آگئے۔ یہاں اس نے چنبیلی کے پیڑ کے پاس بلبل کا پنجرہ ٹانگ دیا۔ بلبل کی آواز سنتے ہی باغ کے تمام پرندے اُڑتے ہوئے آتے اور سب مل کر گانا گانے لگے اور باغ میں ایسی موسیقی گونجی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں سنی تھی۔

اس کے بعد فیروزہ باغ کے فوارے کے پاس پہنچی۔ اس نے اپنے برتن سے وہاں سنہرا پانی انڈیل دیا۔ اس کا انڈیلنا تھا کہ جیسے سارا باغ اکدم سے روشن ہو گیا۔ فوارے سے سنہرے پانی کے دھارے چھوٹنے لگے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے

سونے کی بارش ہو رہی ہے، جیسے چودھویں کے چاند سے چھینٹیں اُڑ رہی ہیں۔

اب فیروزہ ایک کھلے میدان میں آئی۔ اس نے وہ شاخ زمین میں گاڑ دی۔ ایک ہی لمحہ میں وہ شاخ ایک پیڑ میں تبدیل ہو گئی۔ بالکل ویسا ہی پیڑ جیسا کہ اس نے پہاڑ پر دیکھا تھا۔ اور اس کی پتی پتی، کلی کلی اور پھول پھول سے موسیقی کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ساری دنیا کے ساز ایک ساتھ بج رہے ہوں۔ سارے باغ میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

چند روز بعد فرید اور فیروز شکار پر جانے لگے۔ فیروزہ اپنا وقت باغ میں گذارتی۔ کبھی وہ بلبلِ ہزار داستاں سے باتیں کرتی، کبھی پیڑ کا گانا سُنتی اور کبھی فوارے کے پاس آکر بیٹھ جاتی اور سنہرے پانی کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہتی اور خوب مزے لیتی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ جب فرید اور فیروز شکار پر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسی راستے پر بادشاہ کی سواری آرہی ہے۔ دونوں بھائی اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے۔ وہ بادشاہ کا آداب بجا لائے۔ جب بادشاہ کی نظر اُن پر پڑی تو جیسے اس کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ وہ دیر تک دونوں کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بادشاہ نے اُن سے پوچھا " اے نوجوانو! تم کون ہو اور کیا کرتے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا" جہاں پناہ! ہم تو آپ کے باغ کے پرانے مالی کے بیٹے ہیں۔ جب ہمارا باپ بوڑھا ہوگیا تو آپ نے شہر میں اس کے لیے مکان بنوا دیا۔ ہم نے اور ہمارے باپ نے وہاں ایک باغ لگایا۔ پھر ہم لوگ وہاں رہنے لگے۔ اس کے بعد ہمارا باپ مرگیا۔"

بادشاہ نے کہا ـــــ" اب تم کیا کرتے ہو؟"

انھوں نے کہا ـــــ" جہاں پناہ! ہمارے ایک چھوٹی بہن ہے۔ ہم اس کو چھوڑکر نہیں جاتے۔ بس ہمارا کام یہی ہے کہ تھوڑی دیر شکار کریں۔"

بادشاہ ان نوجوانوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور بولا" مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ملک میں دو اتنے خوبصورت نوجوان بھی ہیں جو اس طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمھارے گھر چلوں اور تمھارا باغ دیکھوں۔"

اسی وقت بادشاہ دونوں بھائیوں کے ساتھ اُن کے گھر گیا۔ فیروزہ تو بادشاہ کے آنے کی خبر ہی سے گھبراگئی۔ اس لیے کہ اُس کے گھر میں کبھی اتنا بڑا مہمان اس سے پہلے نہیں آیا تھا۔ وہ دوڑی ہوئی بلبل کے پاس گئی اور اس سے پوچھا ـــــ" پیاری بلبل! آج ہمارے گھر کی قسمت چمک اُٹھی ہے۔ بادشاہ سلامت ہمارے گھر میں آئے ہیں۔ تم بتاؤ کہ ہم کس طرح ان کی خاطر مدارات

کریں "

بلبل نے کہا ——
"فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
اس گھر کے اب بھاگ کھلے ہیں
شاہ تمہارے گھر میں آیا
کھانے میں بس اک کھیرا دو
اور کھیرے کے اندر موتی بھر دو"

فیروزہ یہ سُن کر گھبرا گئی۔ اس نے سوچا کہ ضرور بلبل کی زبان سے غلط بات نکل گئی۔ اس نے کہا "پیاری بلبل یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کھیرے میں بھی کہیں موتی بھرے جاتے ہیں۔ اگر بادشاہ ہمارے دستر خوان پر بیٹھے گا تو وہ کیا موتی نِگلے گا تمہارا مطلب چاول سے تو نہیں ہے؟"

بلبل نے کہا ——
"فیروزہ —— شہزادی فیروزہ
پھر کہتی ہوں میں تم دھیان سے سُن لو
کھیرے میں بس موتی بھر دو ——
موتی بھر دو"

فیروزہ نے ایسا ہی کیا کیونکہ اس کو بلبل کی عقل پر بہت بھروسہ تھا۔ ادھر دونوں بھائی بادشاہ کو لے کر باغ میں پہنچے۔ بلبل نے فیروزہ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب بادشاہ آئیں تو تم اپنے چہرے پر نقاب ڈال لینا

چنانچہ وہ نقاب ڈالے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑے ادب سے سلام کیا۔ بادشاہ پر تو جیسے کوئی جادو ہو گیا۔ فیروزہ کو دیکھ کر ہی اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انھیں خیال آیا کہ۔ اُن کے اپنے کوئی بیٹی نہیں ہے۔ انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ——— "جو آدمی اچھے بچّے چھوڑتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ اس کے بچّے اس کی یاد دلاتے رہتے ہیں ——— اے خدا! ان بچّوں کے باپ کو تو جنّت میں جگہ دے"——— پھر اس نے فیروزہ سے کہا" ہمیں تم کسی ایسے پیڑ کے نیچے لے چلو، جس کی چھاؤں خوب گھنی ہو۔"

فیروزہ جب بادشاہ کو لیے فوّارے کے پاس سے گزری تو بادشاہ ٹھٹھک کر رہ گیا——— "ارے یہ تو سونے کی بوچھاڑ پڑ رہی ہے۔ آنکھوں کو کتنا بھلا لگ رہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا فوّارہ نہیں دیکھا"——— ابھی وہ اس فوّارے کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کے کان میں گانے کی آواز آئی۔ بڑی میٹھی آواز ——— دونوں بھائیوں نے بادشاہ سے کہا۔" یہ آواز اس پیڑ سے آرہی ہے، جس کی پتّی پتّی، کلی کلی اور پھول، پھول سے گانے کی آواز آتی ہے۔" پھر فرید نے بلبلِ ہزار داستاں کی طرف اشارہ کیا جو سونے کے پنجرے میں بیٹھی تھی۔ فیروز نے کہا——— " ان تینوں کو ہم نے کیسے حاصل کیا۔ یہ ایک کہانی ہے۔ جب آپ آرام

سے بیٹھیں گے تو ہم اس کا قصّہ آپ کو سُنائیں گے۔"

بادشاہ نے کہا ——— "ہم اسی پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔"

چنانچہ شہزادی نے جلدی سے کھانا لگایا۔ جب بادشاہ نے کھیرا دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس میں موتی بھرے ہوئے ہیں تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے کہا۔ "ارے یہ کھیرے میں موتی۔ اس میں تو چاول بھرے جاتے ہیں ——— یہ موتی کس نے بھر دیے۔"

یہ سُن کر فیروزہ اتنی پریشان ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹنے ہی والی تھی کہ بلبلِ ہزار داستان نے کہا۔

"اس شہر کے والی وارث خسرو شاہ
اس سے پہلے تم نے سُنا تھا
ملکہ کے اپنے بچّے ہوں
کتّے بلّی اور چوہے
اگر وہ سچ تھا تو یہ بھی سچ ہے
کھیرے میں ہیں موتی پکتے۔"

اب بلبل بڑی سنجیدگی کے ساتھ سر اُٹھا کر بیٹھی اور بولی۔

"یاد ہے تم کو اے خسرو شاہ
بیس برس پہلے تم سے اک لڑکی یہ بولی تھی

میری لڑکی ایسی ہو
چاند سا مکھڑا ——— اور سونے جیسے بال ہوں اُسکے
ماتھے کا اس کے پسینہ، سچے موتی بن کر ٹپکے
اس کے ہونٹوں کی ہر ایک ہنسی
سونے چاندی کی جھنکار بنے
باغوں کی ایک ایک کلی
کھِل کھِل کر پھول بنے
یاد ہے تم کو اے خسرو شاہ
ایسی ہو اُس کی بیٹی"

بادشاہ نے جیسے ہی یہ الفاظ سُنے، اس کے ذہن میں ملکہ کی آواز گونجنے لگی اور رونے لگا ——— اب بلبل نے فیروزہ سے کہا ———

"اے فیروزہ ——— شہزادی فیروزہ
تم سچ مچ کی شہزادی ہو
باپ تمہارے خسرو شاہ
پردہ اُٹھا کر ان کو دیکھو"

فیروزہ نے اپنا نقاب اُلٹ دیا۔ بلبل نے کہا۔

"خسرو شاہ ——— اب دیکھو تم اپنی بیٹی
سونے جیسے بال ہیں اس کے
ماتھے کا اُس کے پسینہ، موتی بن کر ٹپکے گا
اور اس کے ہونٹوں کی مُسکان

باغوں میں ہے پھول کھلاتی "

بادشاہ نے اپنی آنسو بھری آنکھوں سے پھر اپنے بیٹوں کو دیکھا اور اس کو ایسا لگا کہ جیسے اُن کی شکل میں وہ خود جوان ہو گیا ہے۔

بلبل بولی

خسرو شاہ ___ یہ دونوں بیٹے۔

تمہارے اپنے شہزادے ہیں ___"

یہ کہہ کر بلبل نے شروع سے آخر تک سارا قصہ بادشاہ کو سُنایا۔ جب بلبل یہ قصہ سُنا رہی تھی تو تینوں بہن بھائی ہنس بھی رہے تھے اور رو بھی رہے تھے۔ کبھی پھول کھلتے تھے۔ کبھی موتی ٹپکتے تھے۔ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اس نے سب کو ملا دیا۔ جب سب نے اپنے آنسو پونچھ لیے تو بادشاہ نے کہا ___" آؤ چلو ___ آؤ چلو اپنی ماں سے ملو ___ سب کے سب جلدی محل میں پہنچے۔ ان کی ماں کو تو گویا دوسری زندگی مل گئی۔ وہ دونوں بہنیں تو جل کر کوئلہ ہو گئیں۔ لیکن محل میں شادیانے بجنے لگے کہ بچھڑے ہوئے آپس میں مل گئے۔ اب سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔